ہفت روزہ

21

لاہور

ندائے خلافت

www.tanzeem.org

22 تا 28 مئی 2012ء / یکم تا 7 رجب المرجب 1433ھ

اس شمارے میں

ایک پسپائی اور سہی!

امت کی وحدت اور نصبُ العین

منکرین کے اعتراضات کا جواب اور باطل عقائد و تصورات کا توڑ

قرآن کی راہ میں پائی شہادت

علم کی شاہ کلید

محمد بن قاسمؒ...... فاتح سندھ

"اسلاموفوبیا اور اس کا تدارک"
خلافت فورم میں فکر انگیز مذاکرہ

دُنیا کی محبت

آخرت اور قیامت کے انکار کا ایک بڑا سبب دُنیا کی حد سے بڑھی ہوئی محبت ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوا:

﴿كَلَّا بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ ﴿٢٠﴾ وَتَذَرُوْنَ الْاٰخِرَةَ ﴿٢١﴾﴾ (القیٰمہ)

"ہرگز نہیں! بلکہ تم لوگ دنیا سے محبت رکھتے ہو اور آخرت کو چھوڑ دیتے ہو!"

یعنی تمہاری گمراہی کا اصل سبب یہ ہے کہ تم عاجلہ کی محبت میں گرفتار ہو، اور اس کے پرستار بن گئے ہو۔ لفظ "عاجلہ" عجلت سے بنا ہے، اس سے مراد "دُنیا" ہے۔ اس لئے کہ اس کا نفع بھی فوری اور نقد ہے اور نقصان بھی فوری اور نقد۔ اس کی لذتیں بھی بالفعل محسوس ہوتی ہیں اور اس کی کلفتیں بھی فوری اثر کرنے والی ہوتی ہیں۔ تم اس عاجلہ سے دل لگائے ہوئے ہو اور آخرت کی زندگی کو نظر انداز اور فراموش کئے ہوئے ہو۔ یہاں عاجلہ کا لفظ استعمال کر کے اس حقیقت کی جانب توجہ مبذول کرا دی گئی کہ اس دُنیا میں ہم دیکھتے ہیں کہ جو لوگ فوری لذتوں کو چھوڑنے کے لئے تیار نہیں ہوتے اور فوری آسائشوں کو قربان نہیں کر سکتے، وہ آگے نہیں بڑھ سکتے۔ اس کے برعکس جنہیں آگے بڑھنا ہوتا ہے اور جو دُور اندیش اور دُور بین ہوتے ہیں وہ فوری راحت و آرام کو تج دیتے ہیں اور سخت محنت کرتے ہیں یہاں تک کہ راتوں کو جاگتے ہیں تا کہ اپنے دُنیوی کیریئر کو روشن بنا سکیں۔ بالکل اسی طرح جو لوگ دُنیا کی فوری لذت اور عیش و راحت کو قربان کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتے، جو اس عاجلہ (دُنیا) کی محبت میں گرفتار ہو جاتے ہیں اور اس عروسِ ہزار داماد کی زلف گرہ گیر کے اسیر ہو کر رہ جاتے ہیں، جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہ آخرت سے غافل رہتے ہیں اور اللہ کی جناب میں محاسبہ کے لئے کھڑے ہونے کو فراموش کر دیتے ہیں، وہ اُخروی زندگی میں لامحالہ ناکام اور خائب و خاسر ہو کر رہیں گے۔ لیکن افسوس کہ انسان مختصر سی حیات دُنیوی میں تو مستقبل سے غافل نہیں ہوتا، لیکن آخرت کی ابدی زندگی سے غافل رہتا ہے۔

قرآن کریم کا منتخب نصاب
ڈاکٹر اسرار احمدؒ

سورۃ ہود

(آیات: 92 تا 95)

ڈاکٹر اسرار احمدؒ

بسم اللہ الرحمٰن الرَّحیم

قَالَ يٰقَوْمِ اَرَهْطِيْٓ اَعَزُّ عَلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاتَّخَذْتُمُوْهُ وَرَآءَكُمْ ظِهْرِيًّا ؕ اِنَّ رَبِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ (۹۲) وَيٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّيْ عَامِلٌ ؕ
سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَمَنْ هُوَ كَاذِبٌ ؕ وَارْتَقِبُوْٓا اِنِّيْ مَعَكُمْ رَقِيْبٌ (۹۳) وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا شُعَيْبًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا ج
وَاَخَذَتِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ (۹۴) كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ؕ اَلَا بُعْدًا لِّمَدْيَنَ كَمَا بَعِدَتْ ثَمُوْدُ (۹۵)

انہوں نے کہا کہ قوم! کیا میرے بھائی بندوں کا دباؤ تم پر خدا سے زیادہ ہے؟ اور اس کو تم نے پیٹھ پیچھے ڈال رکھا ہے؟ میرا پروردگار تو تمہارے سب اعمال پر احاطہ کئے ہوئے ہے۔ اور برادران ملت! تم اپنی جگہ کام کئے جاؤ میں (اپنی جگہ) کام کئے جاتا ہوں۔ تم کو عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ رسوا کرنے والا عذاب کس پر آتا ہے۔ اور جھوٹا کون ہے؟ اور تم بھی انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں۔ اور جب ہمارا حکم آپہنچا تو ہم نے شعیبؑ کو اور جو لوگ اس کے ساتھ ایمان لائے تھے ان کو تو اپنی رحمت سے بچالیا اور جو ظالم تھے ان کو چنگھاڑ نے آدبوچا تو وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے۔ گویا ان میں کبھی بسے ہی نہ تھے۔ سن رکھو کہ مدین پر (ویسی ہی) پھٹکار ہے جیسی ثمود پر پھٹکار تھی۔

حضرت شعیب علیہ السلام نے کہا، اے میری قوم کے لوگو! کیا میرا یہ خاندان تم پر اللہ تعالیٰ سے زیادہ بھاری ہے؟ میرا حقیقی پشت پناہ تو اللہ ہے۔ تم اللہ سے نہیں ڈرتے ہو بلکہ میرے خاندان سے ڈرتے ہو اور اللہ کو تم نے بھلایا ہوا ہے۔ یہ بہت اہم نفسیاتی نقطہ ہے کہ اللہ کے ماننے والے بھی دنیا میں ایسے مگن ہو جاتے ہیں کہ اللہ مستحضر نہیں رہتا۔ دنیا کا کاروبار چل رہا ہو تو اور Cause & effect تو نظروں کے سامنے ہوتا ہے مگر مسبب الاسباب نگاہوں سے اوجھل ہو جاتا ہے۔ اپنے کاموں کی مشغولیت اور بنیادی ضروریات زندگی کی فراہمی انسان کو فارغ ہی نہیں ہونے دیتی۔ لہٰذا وہ اپنی مصروفیتوں میں گم ہو جاتا ہے۔

کافر کی یہ پہچان کہ آفاق میں گم ہے
مؤمن کی یہ پہچان کہ گم اس میں ہیں آفاق

مشرکین مکہ بھی اللہ کو مانتے تھے مگر انہوں نے اللہ کو اوجھل کر رکھا تھا۔ اسی طرح کی حالت قوم شعیبؑ کی تھی کہ وہ شعیب علیہ السلام کے خاندان سے خائف تھے مگر اللہ تعالیٰ کو فراموش کیے بیٹھے تھے۔ حضرت شعیب علیہ السلام انہیں یاد دلا رہے ہیں کہ اللہ کی طرف تمہارا ذہن ہی نہیں ہے، جبکہ میرا رب جو کچھ تم کر رہے ہو اس کا احاطہ کئے ہوئے ہے، تم اللہ کی گرفت سے نکل نہیں سکتے ہو۔

اور اے میری قوم کے لوگو! تم اپنی جگہ میرے خلاف جو کچھ کر سکتے ہو کر گزرو۔ چونکہ اب مکے میں حق و باطل کی کشاکش انتہا کو پہنچ گئی تھی، اس لئے اس طرح کا Challenging انداز اس دور کی سورتوں میں سورۃ الانعام سے چلا آ رہا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی طبیعت میں بے زاری پیدا ہو چکی تھی۔ اسی طرح کی بے زارکن صورت میں شعیب علیہ السلام کہہ رہے ہیں کہ اے میری قوم کے لوگو، تم میرے خلاف اپنے طور پر جو کر سکتے ہو کر لو، میں جو کر سکتا ہوں وہ میں کر رہا ہوں، عنقریب تم جان لو گے کہ کون ایسا ہے جس پر وہ عذاب آئے گا جو اُسے رسوا کر دے گا اور کون جھوٹا ہے، میں یا تم۔ انتظار کرتے رہو اور میں بھی تمہارے ساتھ منتظر ہوں اور تک رہا ہوں۔

اور جب ہمارا حکم آ گیا تو ہم نے شعیب علیہ السلام کو اور اُن کو جو ان کے ساتھ ایمان لائے تھے اپنی طرف سے رحمت کے ذریعے نجات دی۔ اور جو ظالم، گناہ گار، مشرک اور کافر تھے انہیں ایک بڑی کڑک نے آ پکڑا۔ پس وہ اپنے گھروں میں، اپنی کوٹھیوں اور حویلیوں میں اس طرح اوندھے پڑے رہ گئے جیسے وہ کبھی آباد تھے ہی نہیں۔ آگاہ ہو جاؤ پھٹکار ہے (اہل) مدین پر جیسے کہ ثمود پر پھٹکار ہوئی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ادار یہ

ایوب بیگ مرزا

ایک پسپائی اور سہی!

نیٹو سپلائی کھولنے کا اصولی فیصلہ ہو چکا ہے، اب کچھ رسمی کارروائیوں کا پورا کیا جانا باقی ہے۔ یہ ایک پسپائی ہے، لیکن اگر ہم پاکستان کی پینسٹھ سالہ تاریخ پر نگاہ ڈالیں تو یہ ایک پسپائیوں کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ ہے جسے پاکستانی قوم شاید ایک روٹین یا اپنا مقدر سمجھ چکی ہے۔ قومی سطح پر ذلت' رسوائی' بے عزتی' بے توقیری' پسپائی اور شکست جیسے الفاظ اپنے معنی کھو چکے ہیں۔ مایوسی کفر ہے، لیکن یہ اظہارِ مایوسی نہیں اظہارِ حقیقت ہے۔ حکمرانوں نے قوم کی جو تربیت کی ہے اس کا نقد نتیجہ یہ برآمد ہو رہا ہے کہ قومی سطح پر بڑے سے بڑا سانحہ رونما ہو جائے عوام ٹس سے مس نہیں ہوتے۔ لیکن بجلی کی لوڈ شیڈنگ اگر ایک حد سے بڑھ جائے تو سڑکیں آگ اگلنے لگتی ہیں' گاڑیوں اور عمارتی شیشوں پر سنگ باری شروع ہو جاتی ہے' ٹریفک روک دی جاتی ہے' ایوانِ صدر میں اجلاس ہوتا ہے اور لوڈ شیڈنگ میں کمی ہو جاتی ہے۔ گویا حکمرانوں کی طرف سے اگلا سبق یہ پڑھایا جاتا ہے کہ ہم سے کچھ منوانا ہے تو پبلک پراپرٹی کو نقصان پہنچاؤ' توڑ پھوڑ اور تخریب کاری کرو' تمہاری ذات کو پہنچنے والی تکلیف دور کر دی جائے گی۔ دینی' مذہبی' قومی اور ملکی مفادات سب اپنے ذاتی مفاد کے سامنے ہیچ ہیں۔ یہ ہے وہ درس یا سوچ یا نظریہ جو اشرافیہ سے ٹریول کرتا ہوا عوام کی رگ و پے میں سرایت کرتا چلا جا رہا ہے۔ اس کا ہرگز ہرگز یہ مطلب نہ سمجھا جائے کہ کہ ہم فرد کے ذاتی مفادات اور خصوصاً بنیادی انسانی ضروریات کو اہم نہیں سمجھتے۔

ہمارا آج کا موضوع نیٹو سپلائی کی بحالی کے حوالہ سے پاکستان کی پسپائی ہے، لہٰذا اس بحث کو کسی اور وقت کے لیے مؤخر کرتے ہوئے کہ معاشرے کو قومی اور ملکی مفاد اور فرد کی بنیادی ضروریات کو کس طرح بیلنس کرنا چاہیے، ہمیں اس وقت قیامِ پاکستان سے لے کر آج تک حکمرانوں کی مختلف مہم جوئیوں اور بعد ازاں پسپائیوں اور ناکامیوں کا جائزہ لینا ہے۔

1948ء کی کشمیر کی جنگ کو آزادی کی جنگ کا حصہ سمجھتے ہوئے اس سے آغاز نہیں کرتے، پھر یہ کہ 65 سالوں میں یہ واحد معرکہ تھا جس میں ہم نے جغرافیائی لحاظ سے کچھ نہ کچھ حاصل کیا۔ یہ ہمارے قبائلی بھائیوں کی جرأت اور بہادری تھی کہ آج کشمیر کا کچھ حصہ آزاد کشمیر کے نام سے نقشہ پر موجود ہے۔ البتہ اس میں بھی ہمارے حکمرانوں نے ایک پنڈت کی یقین دہانی پر اعتماد کرتے ہوئے سیاسی عدم بصیرت کا مظاہرہ کیا، وگرنہ قبائلی سری نگر پہنچے بغیر دم نہ لیتے۔

پاکستان اور بھارت کے مابین پہلی باقاعدہ جنگ ستمبر 1965ء میں ہوئی۔ ہمارے حکمران اُس وقت سے عوام کو دھوکہ دینے کے لیے 6 ستمبر کو یومِ دفاعِ پاکستان مناتے چلے جا رہے ہیں۔ اصل میں یہ پاکستان کے فوجی حکمرانوں کا کشمیر کے حوالہ سے ایک ناکام منصوبہ تھا۔ بغیر کسی ہوم ورک کے اور مقبوضہ کشمیر کے لیڈروں کو اعتماد میں لیے بغیر اپنے فوجی کمانڈوز کشمیر میں داخل کر دیئے گئے، جب وہ کوئی کارنامہ سرانجام نہ دے سکے تو کشمیر پر حملہ کر دیا گیا۔ بھارت نے لاہور کا محاذ کھول کر باقاعدہ جنگ کا آغاز کر دیا، جس سے ہماری افواج کو کشمیر کو بھول کر پاکستان کو بچانے کے لالے پڑ گئے، البتہ یہ تسلیم کرنا چاہیے کہ وہ کسی نہ کسی طرح پاکستان کو بچانے میں کامیاب ہو گئے۔ منصوبہ بندی کے بغیر اور کشمیر پر حملے کے نتیجے میں بھارتی ردعمل کا اندازہ کیے بغیر جنگ کرنے کا نقصان یہ ہوا کہ ہمیں تاشقند میں مذاکرات کی میز پر مکمل شکست ہوئی اور لینے کے دینے پڑ گئے۔

1971ء میں نہ صرف پاکستان کو بھارت کے ہاتھوں ذلت آمیز شکست ہوئی بلکہ امت مسلمہ کی تاریخ میں پہلی بار کسی مسلمان فوج کی اتنی بڑی تعداد نے ہتھیار پھینکے تھے۔ ایسی شرمناک شکست شاید ہی تاریخ میں مسلمانوں کو ہوئی ہو۔ پاکستانی اس پر بڑے روئے پیٹے لیکن کوئی سبق نہ سیکھا۔

تا خلافت کی بنا' دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب وجگر

تنظیم اسلامی کا ترجمان' نظامِ خلافت کا نقیب

ہفت روزہ — لاہور

ندائے خلافت

بانی: اقتدار احمد مرحوم

22 تا 28 مئی 2012ء — جلد 21
یکم تا 7 رجب المرجب 1433ھ — شمارہ 21

مدیر مسئول: حافظ عاکف سعید
مدیر: ایوب بیگ مرزا
نائب مدیر: محبوب الحق عاجز

نگران طباعت: شیخ رحیم الدین
پبلشر: محمد سعید اسعد' طابع: رشید احمد چودھری
مطبع: مکتبہ جدید پریس' ریلوے روڈ' لاہور

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی:
67-اے' علامہ اقبال روڈ' گڑھی شاہو' لاہور-54000
فون: 36316638-36366638 فیکس: 36313131
E-Mail:markaz@tanzeem.org
مقام اشاعت: 36-کے' ماڈل ٹاؤن' لاہور-54700
فون: 35869501-03 فیکس: 35834000
publications@tanzeem.org

قیمت فی شمارہ 12 روپے

سالانہ زرِ تعاون
اندرونِ ملک...... 450 روپے
بیرون پاکستان
انڈیا---------------- (2000 روپے)
یورپ' ایشیا' افریقہ وغیرہ (2500 روپے)
امریکہ' کینیڈا' آسٹریلیا وغیرہ (3000 روپے)
ڈرافٹ' منی آرڈر یا پے آرڈر
"مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن" کے عنوان سے ارسال کریں۔ چیک قبول نہیں کیے جاتے

"ادارہ" کا مضمون نگار حضرات کی تمام آراء سے پورے طور پر متفق ہونا ضروری نہیں

1984ء میں بھارت نے ہماری غفلت اور کوتاہی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے سیاچن کے ان علاقوں پر قبضہ کرلیا جو ہم سردیوں میں خالی کر دیتے تھے۔ ہمارے فوجی حکمران ضیاء الحق عرف مردِ حق نے فرمایا کوئی بات نہیں سیاچن میں تو گھاس بھی نہیں اگتی۔ ہم آج تک سیاچن کی وہ برف پوش چوٹیاں بھارت سے حاصل نہیں کر سکے۔ اب ہمارے ''عظیم'' عوامی لیڈر نواز شریف نے فتویٰ دیا ہے کہ ہمیں وہاں سے فوجیں واپس بلانے میں پہل کرنی چاہیے۔

1999ء میں ہماری سیاسی اور فوجی قیادت نے ایک اور کارنامہ سرانجام دیا اور کارگل کی پہاڑیوں پر بھارتی فوج کی غیر موجودگی میں قبضہ کرلیا۔ اب بھی کوئی منصوبہ بندی نہ کی گئی، کوئی ہوم ورک نہ ہوا' دشمن کے ردعمل اور جوابی حملے سے نمٹنے کی کوئی تیاری نہ کی گئی، لہٰذا نتیجہ کیا نکلا اپنے سینکڑوں فوجی اور مجاہد شہید کروالیے۔ اور جس طرح جنگ رکوانے کے لیے امریکہ کے منت ترلے کیے گئے وہ ایک طویل ذلت آمیز کہانی ہے جسے بیان کرتے ہوئے بھی شرم سے سر جھک جاتا ہے۔

نائن الیون کے بعد پرویز مشرف ایک ٹیلی فون کال پر امریکہ کے سامنے ڈھیر ہوگیا، اس کے خوفناک اور خونریز نتائج آج تک قوم بھگت رہی ہے۔ ہماری پسپائیوں کی کہانی ابھی ختم نہیں ہوئی، ہم نے ریمنڈ ڈیوس نامی ایک امریکی غنڈے کو دو پاکستانی قتل کرتے ہوئے موقع پر پکڑا مگر ہم اسے سزا نہ دے سکے۔ اب ہمیں شریعت یاد آگئی اور دیت کے قانون کی بے حرمتی کرتے ہوئے اسے رہا کر دیا گیا کہ آقا کا حکم تھا۔

2 مئی 2011ء ہماری قومی زندگی کے تلخ اور ناقابل فراموش دنوں میں سے ایک دن ہے، جب ہماری فضائی حدود کے محافظ خوابِ خرگوش کے مزے لے رہے تھے تو امریکی ہیلی کاپٹر آئے اور ایبٹ آباد کے ایک مکان میں خون کی ہولی کھیل کر انتہائی خاموشی سے واپس چلے گئے کہ کسی کی نیند میں خلل بھی نہ پڑا۔ ہمارا جنرل ہیڈ کوارٹر راولپنڈی بھی محفوظ نہیں کہ دہشت گرد وہاں حملہ آور ہوتے ہیں اور کئی گھنٹے ہماری عسکری قیادت کو یرغمال بنائے رکھتے ہیں۔ آج کے دور میں بحری قوت اور بحری تسلط کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ ہم نے بھی P3 اورین جہاز اس غریب قوم کے خون پسینے کی کمائی سے نقد رقم ادا کر کے خریدے تھے، ہم ان کی بھی حفاظت نہ کر سکے، ان کا دشمنوں نے وہ حشر کیا کہ وہ شاید اس وقت کسی کباڑیے کی دکان میں پڑے ہوں۔

ہمارے دوست ہمارے اتحادی امریکہ نے 26 نومبر 2011ء کو ہمارے چوبیس جوان شہید کر دیے، بہت سوں کو زخمی کر دیا۔ اس پر ہماری غیرت اور حمیت یکدم جاگ اُٹھی۔ ہمیں طیش آ گیا اور ہم نے افغانستان کے لیے امریکہ کا سپلائی روٹ بند کر دیا' ہم نے امریکہ سے معافی کا مطالبہ کیا' ہم نے ڈرون حملے بند کرنے کا کہا' ہم نے سی آئی اے کے جاسوسوں کے واپس جانے کا کہا' ہم نے وار آن ٹیرر کے جنگی بقایا جات کا مطالبہ بھی کیا۔ امریکہ رعونت سے کہہ رہا ہے کہ کوئی اور مطالبہ تسلیم نہیں کیا جائے گا، البتہ رقم ادا کرنے کا مطالبہ اس انداز میں مان رہا ہے جیسے کہہ رہا ہو بتاؤ کتنے ڈالر تمہارے منہ پر ماروں؟ اس پر ہمارے وزیر دفاع اور محترمہ وزیر خارجہ کو یاد آ گیا ہے کہ نیٹو میں تو 49 ممالک ہیں اور اکیلا پاکستان 49 ترقی یافتہ ممالک کا مقابلہ تو نہیں کر سکتا۔ کاش یہ خبر ہمیں نیٹو سپلائی بند کرتے وقت مل جاتی۔ وزیر خزانہ کہہ رہے ہیں کہ اس رقم کے علاوہ امریکہ سے کہا جائے کہ عالمی مالیاتی اداروں سے ہمیں قرض بھی دلائے وگرنہ میں اس سال بجٹ نہیں بناؤں گا۔ عسکری قیادت بھی دن رات امریکہ سے مذاکرات کر رہی ہے، اس لیے کہ جس سے دوستی ہوگی، جس سے قرب ہوگا، مصیبت کے وقت بھی اسی سے رجوع کرنا ہوگا، لہٰذا ہم امریکہ کی طرف رجوع کر کے نیٹو سپلائی کھول رہے ہیں۔ ایک پسپائی اور سہی!

☆☆☆

بیا بہ مجلسِ اسرار

اُمّت کی وحدت اور نصبُ العین

سورۂ آلِ عمران کی آیت نمبر 110 میں امت محمد ﷺ کو یہ سند عطا فرمائی گئی ہے کہ ''تم وہ بہترین امت ہو جسے نوعِ انسانی کے لیے برپا کیا گیا ہے، تم نیکی کا حکم دیتے ہو، بدی سے روکتے ہو اور اللہ پر پختہ ایمان رکھتے ہو!...... گویا پوری امت مسلمہ کا مقصدِ وجود ہی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے، اور اصلاً مطلوب یہ ہے کہ پوری امت ایک جسدِ واحد کے مانند ہو اور اس کا اجتماعی نصب العین ہی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بن جائے، پھر یہ بھی جانی پہچانی حقیقت ہے کہ جہاں اجتماعیت میں زیادہ سے زیادہ اتحاد و یگانگت سے نصب العین کی جانب پیش قدمی میں مزید شدت و قوت پیدا ہوتی ہے، وہاں نصب العین کے ساتھ زیادہ سے زیادہ قلبی و جذباتی وابستگی بجائے خود اجتماعیت کو مزید تقویت و استحکام بخشنے کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ اور اس طرح قدم آگے سے آگے بڑھتے چلے جاتے ہیں۔

لیکن ظاہر ہے کہ یہ مطلوبہ اور مثالی و معیاری کیفیت ہمیشہ برقرار نہیں رہتی۔ جیسا کہ خود امت مسلمہ کی تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ تین یا چار نسلوں تک تو یہ کیفیت برقرار رہی لیکن اس کے بعد نصب العین سے وابستگی میں ضعف پیدا ہونا شروع ہو گیا اور اس کے نتیجے میں امت کی وحدت اور یگانگت میں بھی دراڑیں پیدا ہونی شروع ہو گئیں۔ تا آنکہ آج ہم دیکھ رہے ہیں کہ امت واحدہ کا تصور تو صرف ذہنوں میں باقی رہ گیا ہے۔ بالفعل اس وقت دنیا میں ایک امت مسلمہ کی بجائے بے شمار مسلمان اقوام اور قومیتیں موجود ہیں۔

قرآن حکیم چونکہ ایک ابدی ہدایت نامہ ہے، لہٰذا اس نے ایسی صورتحال کے لیے بھی پیشگی ہدایت عطا فرمادی تھی جو اسی سورۂ مبارکہ کی آیت نمبر 104 میں وارد ہوئی ہے۔ اور جس کا خلاصہ اور لبِ لباب یہ ہے کہ اس منتشر اور خوابیدہ امت میں سے جو لوگ جاگ جائیں اور انہیں اپنے اجتماعی فرائض کا شعور و ادراک حاصل ہو جائے وہ باہم جمع ہوں اور مل جل کر اس خیالی و تصوراتی اور خوابیدہ و معطل امت کے دائرے کے اندر اندر ایک چھوٹی مگر فعال اور منظم امت وجود میں لائیں جو اس اجتماعی نصب العین کی جانب پیش قدمی شروع کر دے۔ پھر جیسے جیسے نشانِ منزل نمایاں ہوتا جائے گا زیادہ سے زیادہ لوگ اس قافلے میں شامل ہوتے چلے جائیں گے اور وہ صورت عملاً پیدا ہو جائے گی کہ ؎

میں اکیلا ہی چلا تھا جانبِ منزل مگر
راہرو ملتے گئے اور قافلہ بنتا گیا!

منکرین کے اعتراضات کا جواب اور

باطل عقائد وتصوّرات کا توڑ

سورۃ الطّور کے دوسرے رکوع کی روشنی میں

مسجد جامعہ القرآن لاہور میں امیر تنظیم اسلامی محترم **حافظ عاکف سعید** حفظہ اللہ کے 11 مئی 2012ء کے خطاب جمعہ کی تلخیص

[سورۃ الطّور کے دوسرے رکوع کی تلاوتِ آیات کے بعد فرمایا]

سورۂ طور سے قبل سورۂ قٓ اور سورۃ الذّٰریٰت ہمارے زیر مطالعہ رہی ہیں۔ ان سورتوں کا اصل مضمون تذکیر، یاد دہانی، موعظت اور نصیحت ہے۔ اصل میں زور اثبات آخرت پر ہے۔ قسمیں کھا کر اس بات کا اظہار کیا گیا کہ یوم آخرت تو آ کر رہے گا، اور نافرمانوں پر عذاب واقع ہو کر رہے گا۔ جیسا کہ سورۂ طور کے پہلے رکوع میں قسمیں کھا کر فرمایا گیا:

﴿اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ ٧﴾

”بلاشبہ تمہارے پروردگار کا عذاب واقع ہو کر رہے گا“

قیامت کے روز ایک طرف اہل جہنم ہوں گے، جنہوں نے من مانی زندگی گزاری ہے۔ دوسری طرف وہ لوگ ہوں گے جنہوں نے اللہ کی مان کر زندگی بسر کی ہوگی۔ اس بات کو ایک حدیث کے حوالہ سے بآسانی سمجھا جا سکتا ہے۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں:

((اَلدُّنْيَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ وَ جَنَّةُ الْكَافِرِ))
(مسلم)

”یہ دنیا مومن کے لیے قید خانہ ہے، اور کافر کے لیے جنت ہے“۔

کس معانی میں دنیا کو قید خانہ یا جنت کہا گیا ہے؟ قید خانے میں انسان آزاد نہیں ہوتا، پابند ہوتا ہے۔ وہ اپنی مرضی سے باہر نہیں نکل سکتا۔ وہ مقید ہے، قواعد وضوابط کا پابند ہے۔ اس دنیا میں بھی ایک بندۂ مؤمن قواعد وضوابط کا پابند ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے عطا کر دیے ہیں۔ کچھ حدود ہیں جن سے وہ آگے نہیں جا سکتا۔ یہ دنیا کافر کے لیے جنت اس معانی میں ہے کہ وہ من مانی زندگی گزارتا ہے۔ وہ کسی قاعدے قانون کا پابند نہیں۔ کسی آسمانی ضابطۂ اخلاق کو نہیں مانتا۔ بظاہر وہ دنیا میں ہر جائز و ناجائز چیز حاصل کر لیتا ہے۔ حقیقتاً اس کے لیے وہ دوسروں پر ظلم کرتا ہے، ان کے حقوق غصب کرتا ہے، اللہ کی نافرمانی کرتا ہے۔ جبکہ مؤمن کو من مانی زندگی گزارنے کا موقع جنت میں ملے گا۔ تاہم جو یہاں اللہ کا قانون نہیں مانتے ان کا انجام جہنم ہے اور جو قاعدے قانون کے پابند ہیں وہ متقین ہیں۔ پچھلی سورت میں تھا: ﴿اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ١٥﴾ (الذّٰریٰت) ”بے شک پرہیزگار بہشتوں اور چشموں میں ہوں گے“۔ سورۂ قٓ میں ہم یہ بھی مطالعہ کر چکے: ﴿وَاُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِيْنَ غَيْرَ بَعِيْدٍ ٣١﴾ ”اور بہشت پرہیزگاروں کے قریب کر دی جائے گی (کہ مطلق) دور نہ ہوگی“۔ سب سے زیادہ stress تقویٰ پر ہے۔ ایک ہی پیغام مختلف انداز سے بیان ہو رہا ہے۔ زیر مطالعہ سورۂ طور کے دوسرے رکوع میں مشرکین مکہ سے تابڑ توڑ سوالات کیے گئے ہیں۔ ایک طرف آخرت کے حوالے سے ان کے غلط عقائد و تصورات تھے اور دوسری طرف وہ توحید کے اندر ڈنڈی مار رہے تھے۔ یعنی اللہ کو مانتے بھی ہیں اور بے شمار بت بھی رکھے ہوئے ہیں۔ کچھ اور ہستیوں کے بارے میں ان کا عقیدہ تھا کہ وہ بھی صاحب اختیار ہیں۔ علاوہ ازیں وہ اپنے طرز عمل سے حضور ﷺ اور قرآن کی تکذیب کر رہے تھے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے ان کی سوچ، ان کے افکار پر تابڑ توڑ سوالات کر کے شدید ضرب لگائی ہے۔ انہیں سوچنے پر آمادہ کیا ہے۔ کسی شخص کے اندر اگر ذرا بھی حق کو قبول کرنے کی کچھ رمق ہو تو ان آیات کو پڑھ کر وہ راہ راست پر آ جائے گا۔ اس کی ساری غلط فہمیاں دور ہو جائیں گی۔ اگر کوئی جان بوجھ کر ڈھیٹ بن جائے تو اس کا کوئی علاج نہیں۔ چنانچہ اس رکوع میں بڑے جارحانہ انداز میں ان سے سوالات کیے جا رہے ہیں۔ فرمایا:

﴿فَذَكِّرْ فَمَآ اَنْتَ بِنِعْمَتِ رَبِّكَ بِكَاهِنٍ وَّلَا مَجْنُوْنٍ ٢٩﴾

ترجمہ: ”تو (اے پیغمبرؐ!) تم نصیحت کرتے رہو تم اپنے پروردگار کے فضل سے نہ تو کاہن ہو اور نہ دیوانے“

اے نبی ﷺ آپؐ تو تذکیر کرتے رہیے۔ ان اصل حقائق کی یاد دہانی کراتے رہیے جن کا علم انسان کو وجدانی طور پر دے دیا گیا۔ اللہ کی معرفت کے بارے میں بہت سے حقائق، اللہ سے محبت کرنے اور اس کی پرستش کرنے کا جذبہ انسان کے اندر رکھ دیا گیا ہے۔ اسے خیر اور شر کی تمیز عطا کر دی گئی ہے۔ اگر اس دنیا میں آ کر انسان ان باطنی حقائق سے غافل ہو جاتا ہے یا ان حقائق کو فراموش کر بیٹھتا ہے تو اے نبیؐ انہیں یہ سب یاد دلانے کے لیے آپؐ قرآنی آیات کے ذریعے دعوت دیتے رہیے اور ان کے الزامات کی بالکل پرواہ نہ کیجیے۔ آپؐ اپنے رب کے فضل وکرم سے نہ کاہن ہیں اور نہ مجنون ہیں۔ اس آیت میں ایک طرف حضور ﷺ کو تسلی ہے تو دوسری طرف مشرکین کے دعویٰ کی تردید کی گئی ہے۔ حضور ﷺ پر جو بھی الزامات لگائے گئے یا یوں کہیے کہ انکار کرنے کے لیے جو بہانے تراشے گئے یہاں ان کا جواب دیا جا رہا ہے۔ قرآن کو سننے کے بعد ان کا پہلا تبصرہ تھا کہ یہ شخص مجنون ہے (معاذ اللہ)۔ یہ بہکی بہکی باتیں کر رہا ہے۔ یہ باتیں ہم نے اپنے آباء واجداد سے کبھی نہیں سنیں۔ یہ اچانک اسے کیا ہوا۔ یہ پہلا الزام یا بہانہ تھا۔ چنانچہ ابتدائی مکی سورتوں میں سے سورۂ قلم میں فرمایا گیا:

﴿نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ ١ مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ ٢﴾

”نٓ قلم کی اور جو (اہل قلم) لکھتے ہیں اس کی قسم۔ کہ (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) تم اپنے پروردگار کے فضل سے دیوانے نہیں ہو“

نبیؐ کو ابتدائی سورتوں میں تسلی دی گئی کہ آپؐ ان کی باتوں سے رنجیدہ خاطر نہ ہوں۔ ان کے یہ الزامات آپؐ کا حوصلہ پست کرنے کی ایک کوشش ہے۔ کفار نے آپؐ پر تین قسم کے الزامات لگائے تھے یعنی آپؐ (معاذ اللہ) مجنون، کاہن اور شاعر ہیں۔ کاہن وہ ہوتے تھے جو جنات کو قابو کر کے ان کے ذریعے کچھ غیبی امور کی سچی، جھوٹی خبریں ملا جلا کر لوگوں کو بتاتے تھے۔ وہ لوگ کاہنوں کو جانتے تھے کہ کاہن کس قماش کے لوگ ہوتے ہیں۔ ان کے شب و روز کیسے گزرتے ہیں۔ ان کا اخلاقی لیول کیا ہوتا ہے۔ جنات کو قابو کرنے کے لیے سب سے پہلے اپنے آپ کو اخلاقی اعتبار سے پستی کی انتہا تک لے جانا پڑتا ہے۔ وہ اس اعتبار سے معاشرے کے بدترین لوگ ہوا کرتے تھے۔ جبکہ آپؐ کا کردار پوری قوم کے سامنے تھا۔ آپؐ نے چالیس سال اس قوم میں گزارے تھے۔ الصادق اور الامین کا خطاب پایا تھا۔ آپؐ کی خوش اخلاقی اور اعلیٰ کردار کے سب معترف تھے۔ یہ الزامات دراصل قوم کے سرداروں کی طرف سے لگائے جاتے تھے تاکہ لوگ آپؐ سے دور رہیں اور آپؐ کی دعوت کو قبول نہ کریں۔ زیر مطالعہ آیت میں رب کائنات نے کفار کے اس الزام کی خود تردید کی کہ آپؐ کاہن اور مجنون نہیں، آگے فرمایا:

﴿اَمْ يَقُوْلُوْنَ شَاعِرٌ نَّتَرَبَّصُ بِهٖ رَيْبَ الْمَنُوْنِ ۝۳۰﴾

"کیا کافر کہتے ہیں کہ یہ شاعر ہے (اور) ہم اس کے حق میں زمانے کے حوادث کا انتظار کر رہے ہیں"

اب تیسرا الزام بھی آ گیا۔ یہ کہتے ہیں کہ آپؐ شاعر ہیں۔ آپؐ سے پہلے بھی بڑے شاعر آئے اور چلے گئے، آپؐ کا دور بھی گزر جائے گا۔ اس الزام کے ذریعے وہ کہنا چاہتے تھے کہ شاعر عموماً بڑی بڑی باتیں بناتے ہیں۔ زمین آسمان کے قلابے ملاتے ہیں، اور پھر اس کے بعد وہ ختم ہو جاتے ہیں۔ کوئی بڑی تبدیلی ان کے ذریعے نہیں آتی۔ کوئی نظام نہیں بدلتا۔ کوئی سوچ نہیں بدلتی۔ ان لوگوں کی لفاظی سے لوگ محظوظ ہوتے ہیں، زمانہ ختم ہو جاتا ہے اور نیا دور آ جاتا ہے۔ جیسے پہلے بہت سے شاعر اپنا اپنا وقت پورا کر کے چلے گئے۔ ہم بھی منتظر ہیں کہ معاذ اللہ آپؐ بھی ایک شاعر ہیں جو بڑے اونچے خیالات کو پیش کر رہے ہیں۔ لیکن ایک وقت آئے گا جب یہ باتیں ماضی کا قصہ بن جائیں گی۔ اس کے جواب میں اللہ نے آگے کیا فرمایا:

﴿قُلْ تَرَبَّصُوْا فَاِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُتَرَبِّصِيْنَ ۝۳۱﴾

"کہہ دو کہ انتظار کیے جاؤ میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں۔"

اگر تم میرے بارے میں حوادث زمانہ کے منتظر ہو تو سن لو کہ میں بھی تمہارے انجام کے بارے میں منتظر ہوں۔ یہاں سے آگے وہ تابڑتوڑ سوالات شروع ہو رہے ہیں:

﴿اَمْ تَاْمُرُهُمْ اَحْلَامُهُمْ بِهٰذَآ اَمْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ ۝۳۲﴾

"کیا ان کی عقلیں ان کو یہی سکھاتی ہیں؟ بلکہ یہ لوگ ہیں ہی شریر"

کسی کے پاس ذرا سی بھی عقل ہو وہ آپؐ کو کاہن اور شاعر نہیں کہہ سکتا۔ قرآن مجید میں سورۂ شعراء کے آخر میں شاعروں کے حوالے سے راہنمائی عطا کی گئی ہے:

﴿وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ ۝۲۲۴﴾

"اور شاعروں کی پیروی گمراہ لوگ کیا کرتے ہیں"

یعنی شاعروں کی محفل میں سنجیدہ، بااخلاق اور باکردار لوگ نہیں بیٹھتے بلکہ بازاری قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔

﴿اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِيْ كُلِّ وَادٍ يَّهِيْمُوْنَ ۝۲۲۵﴾

"کیا تم نے نہیں دیکھا کہ وہ ہر وادی میں سر مارتے پھرتے ہیں"

تم کیا دیکھتے نہیں کہ وہ زمین آسمان کے قلابے ملا دیتے ہیں۔ کبھی جنوب کی بات کر رہے ہیں، کبھی شمال کی، کبھی مشرق کی، کبھی آسمان کی کبھی زمین کی۔ ان کے کلام میں مبالغہ آرائیاں ہوتی ہیں۔

﴿وَاَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ مَا لَا يَفْعَلُوْنَ ۝۲۲۶﴾

"اور کہتے وہ ہیں جو کرتے نہیں"

وہ کبھی کوئی اچھی بات کہہ بھی دیں گے تو ان کا کردار اس کا بالکل نفی کر رہا ہوگا۔ لہٰذا فرمایا گیا تمہارے درمیان شاعر موجود ہیں، کاہنوں کا طبقہ ہے، دیوانوں کے طرز عمل کو بھی تم جانتے ہو۔ جبکہ یہ نبیؐ تو پاکیزہ کلام پیش کر رہے ہیں۔ اس کلام کے اندر فصاحت و بلاغت ہے، اس میں لطافت اور عظمت ہے، یہ کلام فطرت انسانی سے بالکل ہم آہنگ ہے۔ اس پر مستزاد آپؐ کا کردار، آپؐ کا اخلاق تم سب کے سامنے ہے، تو کیا تمہاری عقلیں یہ تسلیم کر رہی ہیں کہ یہ شاعر، کاہن یا مجنون ہیں (معاذ اللہ)۔ درحقیقت ایسا کہنے والے بیوقوف نہیں ہیں۔ اصل میں یہ سرکش ہیں۔ آپؐ کی بات ان کے دل میں اُتری ہے، دل گواہی دیتا ہے لیکن ماننا نہیں چاہتے۔ یہ طغیانی پر آمادہ ہیں۔ حق کو جاننے کے باوجود بھی ڈھٹائی کے ساتھ اس کا انکار کرتے ہیں۔ آگے فرمایا:

﴿اَمْ يَقُوْلُوْنَ تَقَوَّلَهٗ ۚ بَلْ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ۝۳۳﴾

"کیا کفار کہتے ہیں کہ ان پیغمبر نے قرآن از خود بنا لیا ہے بات یہ ہے کہ یہ (اللہ پر) ایمان نہیں رکھتے"

اصل بات یہ ہے کہ وہ ایمان لانا نہیں چاہتے، اور اگر ان کے کہنے میں کوئی صداقت ہے اور واقعی یہ سمجھتے ہیں کہ آپؐ اپنے پاس سے گھڑ کر یہ کلام پیش کر رہے ہیں، تو اللہ انہیں چیلنج کر رہا ہے:

﴿فَلْيَاْتُوْا بِحَدِيْثٍ مِّثْلِهٖٓ اِنْ كَانُوْا صٰدِقِيْنَ ۝۳۴﴾

"اگر یہ سچے ہیں تو ایسا کلام بنا تو لائیں"

یہ کس منہ سے الزام لگا رہے ہیں۔ اللہ کے رسول ﷺ کوئی شاعر نہیں تھے۔ ان کے بڑے بڑے شعراء جن کی فصاحت و بلاغت، شاعری کا چرچا تھا، وہ اس جیسا کلام خود کیوں نہیں بنا لیتے۔ ہم جانتے ہیں کہ آج تک کوئی اس چیلنج کو قبول نہیں کر سکا۔ لہٰذا اللہ نے انہیں لاجواب کرنے کے لیے دوسری دلیل پیش کی:

﴿اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ اَمْ هُمُ الْخٰلِقُوْنَ ۝۳۵﴾

"کیا یہ کسی کے پیدا کیے بغیر ہی پیدا ہو گئے ہیں۔ یا یہ خود (اپنے تئیں) پیدا کرنے والے ہیں"

قرآن کہہ رہا ہے کہ اللہ تمہارا مالک اور خالق ہے۔ اس نے یہ کائنات ایک مقصد کے ساتھ پیدا کی ہے اور تمہیں ایک دن دوبارہ اس کے حضور حاضر ہونا ہے۔ اور یہ اس کا انکار کر رہے ہیں۔ کیا یہ اپنے آپ پیدا ہو گئے۔ یا یہ خود اپنے خالق ہیں۔ یہاں پر بین السطور یہ حقیقت بیان کی گئی ہے کہ اہل عرب مانتے تھے کہ اس زمین و آسمان اور خود ان کو پیدا کرنے والا اللہ ہے تو پھر اللہ کی طرف سے جو احکام آئے ہیں ان کو ماننے میں کیا مانع ہے؟ اسی طرح قرآن کو اس رب کا کلام ماننے سے کیوں انکاری ہو جبکہ تمہیں محسوس ہوتا ہے کہ یہ شہنشاہِ ارض و سماوات کا کلام ہے اور جس کلام نے تمہیں عاجز کر دیا ہے، اسے تسلیم کیوں نہیں کرتے۔ دراصل یوں ان کی خاص ذہنی کیفیت پر ضرب لگائی جا رہی ہے کہ وہ حق کو پہچاننے کے باوجود ماننے کو تیار نہیں تھے۔ چنانچہ آگے فرمایا:

﴿اَمْ خَلَقُوا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ بَلْ لَّا يُوْقِنُوْنَ ۝۳۶﴾

"یا انہوں نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے؟ (نہیں) بلکہ یہ یقین ہی نہیں رکھتے"

وہ زبان پر یہ بات لا ہی نہیں سکتے تھے، کیونکہ وہ بیوقوف نہیں تھے۔ قرآن میں جگہ جگہ یہ بات آئی ہے کہ جب بھی ان سے یہ سوال کیا گیا:

﴿وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ۚ﴾

(العنکبوت: ۶۱)

"اور اگر تم ان سے پوچھو کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا؟ اور سورج اور چاند کو کس نے (تمہارے) زیر فرمان کیا؟ تو کہہ دیں گے اللہ نے"

جب بھی آپ پوچھیں گے آسمانوں اور زمین کو پیدا کس نے کیا، لازماً ان کا جواب ہوگا کہ اللہ نے پیدا کیے ہیں، یہاں انہیں دلیل دی جا رہی ہے کہ جب یہ چیزیں مانتے ہو تو اس کے منطقی نتائج کو بھی مانو۔ لیکن تمہارا اصل مرض یہ ہے کہ تم جان بوجھ کر یہ ماننا نہیں چاہتے۔ اصل چیز تمہارے اندر کی سرکشی اور طغیانی ہے جس کی وجہ سے تم انکار پر تلے ہوئے ہو۔ آگے ارشاد ہوا:

﴿اَمْ عِنْدَهُمْ خَزَآىِٕنُ رَبِّكَ اَمْ هُمُ الْمُصَۜيْطِرُوْنَ ﴿۳۷﴾﴾

"کیا ان کے پاس تمہارے رب کے خزانے ہیں یا یہ (کہیں کے) داروغہ ہیں"

کیا زمین و آسمان کے خزانے ان کے قبضے میں آ گئے ہیں، جس کی وجہ سے انہیں گھمنڈ ہے اور یہ آخرت کا انکار کر رہے ہیں یا یہ کہ انہیں کوئی ایسی سند مل گئی ہے جس کی بنا پر یہ اللہ کے کلام کو جھٹلا رہے ہیں۔

﴿اَمْ لَهُمْ سُلَّمٌ يَّسْتَمِعُوْنَ فِيْهِ ۚ فَلْيَاْتِ مُسْتَمِعُهُمْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۸﴾﴾

"یا ان کے پاس کوئی سیڑھی ہے جس پر (چڑھ کر آسمان سے باتیں) سن آتے ہیں، جو سن آتا ہے وہ صریح سند دکھائے"

کیا یہ کوئی سیڑھی لگا کر آسمان سے ایسی باتیں سن آئے ہیں کہ نبیؐ جو حقائق پیش کر رہے ہیں (معاذ اللہ) وہ غلط ہیں۔ وہ جانتے تھے کہ ایسا نہیں ہے نہ ہی ان کے پاس کوئی ایسی سند تھی۔ لہٰذا اللہ نے فرمایا کہ تم یہ سب بے کس بنیاد پر کہتے ہو۔ اگلی آیہ مبارکہ میں ان کے ایک بڑے الزام کا ذکر آیا ہے، جو وہ اللہ پر باندھتے تھے:

﴿اَمْ لَهُ الْبَنٰتُ وَلَكُمُ الْبَنُوْنَ ﴿۳۹﴾﴾

"کیا اللہ کی تو بیٹیاں ہیں اور تمہارے بیٹے"

اہل مکہ کا عقیدہ تھا کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں، انہی کے بت انہوں نے بنا رکھے تھے، لات، منات، عزیٰ، ہبل وغیرہ جنہیں وہ اس لیے پوجتے تھے کہ یہ اللہ کے ہاں ان کی سفارش کریں گی۔ لہٰذا ان سے مکالمہ ہے کہ تم اپنے لیے بیٹے پسند کرتے ہو اور اللہ کے لیے بیٹیاں پسند کرتے ہو۔ تمہارے پاس اس کی دلیل کیا ہے؟ تمہارے پاس کوئی صحیفہ آیا ہے یا سیڑھی لگا کر تم نے یہ غیب کی باتیں سنی ہیں۔ تمہارے اس خیال کی آخر کیا بنیاد ہے؟ یہ انداز تخاطب تسلسل کے ساتھ چل رہا ہے۔ آگے فرمایا:

﴿اَمْ تَسْـَٔلُهُمْ اَجْرًا فَهُمْ مِّنْ مَّغْرَمٍ مُّثْقَلُوْنَ ﴿۴۰﴾﴾

"اے پیغمبرؐ! کیا تم ان سے صلہ مانگتے ہو کہ ان پر تاوان کا بوجھ پڑ رہا ہے"

یہ بھی ان پر طنز ہے۔ قرآن مسلسل نفسیاتی طور پر ان پر وار کر رہا ہے۔ ان کے غلط تصورات کو ایک ایک کر کے توڑ رہا ہے۔ ذرا سا بھی کسی کے اندر شعور ہو، سمجھ ہو اور وہ غیر جانبداری سے اس پر غور کرے تو اس پر اپنی غلطی واضح ہو جائے گی اور قرآن کی حقانیت پورے طور پر منکشف ہو گی کہ نبیؐ جو دعوت پیش کر رہے ہیں اس کا صلہ نہیں مانگتے، اس دعوت کے پیش کرنے میں ان کا کوئی مفاد نہیں بلکہ وہ ہمارا بھلا چاہتے ہیں۔ اسی تسلسل میں فرمایا:

﴿اَمْ عِنْدَهُمُ الْغَيْبُ فَهُمْ يَكْتُبُوْنَ ﴿۴۱﴾ اَمْ يُرِيْدُوْنَ كَيْدًا ۭ فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا هُمُ الْمَكِيْدُوْنَ (۴۲)﴾ ﴿۴۲﴾

"یا ان کے پاس غیب (کا علم) ہے کہ وہ اسے لکھ لیتے ہیں۔ کیا یہ کوئی داؤ کرنا چاہتے ہیں تو کافر تو خود داؤ میں آنے والے ہیں"

ان کے پاس غیب کا علم نہیں بلکہ آپؐ کو اللہ تعالیٰ نے جو کام تفویض کیا ہے کہ نوع انسانی کے رہبر بن کر انہیں جہنم کے عذاب سے بچائیں یہ اپنی چالیں چل کر آپؐ کے اس مشن کو ناکام بنانا چاہتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جن لوگوں نے کفر کیا وہ خود ہی اپنی چالوں میں آ جائیں گے۔ ہمارے ہاں ایک محاورہ ہے کہ جو کسی کے لیے گڑھا کھودتا ہے وہ خود اسی میں گرتا ہے۔ قرآن مجید میں سورۃ فاطر میں اسی بات کو واضح فرمایا:

﴿اسْتِكْبَارًا فِي الْاَرْضِ وَمَكْرَ السَّيِّئِ ۭ وَلَا يَحِيْقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ اِلَّا بِاَهْلِهٖ ۭ﴾ (فاطر: ۴۳)

"(یعنی انہوں نے) ملک میں غرور کرنا اور بری چال چلنا (اختیار کیا) اور بری چال کا وبال اس کے چلنے والے ہی پر پڑتا ہے"۔

جو شخص بھی کسی کے خلاف چال اور تدبیر کرتا ہے وہ خود اس کا نوالہ بنتا ہے۔ یہ جو چالیں چل رہے ہیں نتیجتاً خود ہی ان کی چالیں ناکام ہوں گی اور اس پھندے میں وہ خود آ جائیں گے۔

﴿اَمْ لَهُمْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ ۭ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۴۳﴾﴾

"کیا اللہ کے سوا ان کا کوئی اور معبود ہے؟ اللہ ان کے شریک بنانے سے پاک ہے"

کیا اللہ کے سوا بھی کوئی ہے جو انہیں بچا لے گا۔ اللہ ان سب سے پاک ہے جن کو وہ اس کا شریک ٹھہراتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو کسی کی مدد کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ کل اختیار کا مالک ہے، اس نے اپنے اختیار میں کسی کو شریک نہیں کیا۔ یہ لوگ کیوں نہیں سمجھتے کہ اس کائنات میں ایک سے زیادہ معبود ہوتے تو زمین و آسمان میں فساد مچ جاتا۔ دانا شخص کو نظر آتا ہے کہ ہر طرف اسی ایک ہستی کا حکم جاری و ساری ہے۔ ایک ہی حکمت و مشیت ہے جو ہر طرف نظر آتی ہے۔ آگے فرمایا:

﴿وَاِنْ يَّرَوْا كِسْفًا مِّنَ السَّمَاۗءِ سَاقِطًا يَّقُوْلُوْا سَحَابٌ مَّرْكُوْمٌ ﴿۴۴﴾﴾

"اور اگر یہ آسمان (سے عذاب) کا کوئی ٹکڑا گرتا ہوا دیکھیں تو کہیں کہ یہ گاڑھا بادل ہے"

اس کا ذکر ہے قرآن مجید میں دوسرے مقامات پر ہے کہ بعض قوموں پر جب عذاب آیا تو انہوں نے بادلوں کو دیکھ کر کہا یہ تو بارش ہے اور ہمارے کھیتوں کو سیراب کرے گی۔ قبل ازیں انبیاء انہیں خبردار کرتے رہے کہ اللہ کا عذاب قریب ہے۔ اسی طرف یہاں اشارہ ہے کہ اگر یہ دیکھیں گے آسمان سے کسی ٹکڑے کو گرتے ہوئے تو کہیں گے یہ تو بادل ہے تہہ بہ تہہ اور اب خوب بارش آئے گی اور ہماری زمین خوب سیراب ہوگی۔ مطلب یہ کہ عذاب کو دیکھ کر بھی ان کی آنکھیں نہیں کھلیں گی۔

﴿فَذَرْهُمْ حَتّٰى يُلٰقُوْا يَوْمَهُمُ الَّذِيْ فِيْهِ يُصْعَقُوْنَ ﴿۴۵﴾﴾

"پس ان کو چھوڑ دو یہاں تک کہ وہ روز جس میں وہ بے ہوش کر دیئے جائیں گے سامنے آ جائے"

اے نبیؐ! آپؐ ان کو نظر انداز کیجیے، یہاں تک کہ یہ دوچار ہو جائیں اس دن سے جس دن ان کے ہوش اُڑ جائیں گے۔ اس سے مراد دنیوی عذاب بھی ہے اور قیامت کا دن بھی۔ جب قیامت آئے گی تو اس وقت بھی ان کا یہی حال ہوگا۔ دوسرے مقام پر اس دن کا نقشہ یوں کھینچا گیا:

﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ۚ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيْمٌ ① يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّآ اَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَتَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى وَمَا هُمْ بِسُكٰرٰى وَلٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيْدٌ ②﴾ (الحج)

"لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو کہ قیامت کا زلزلہ ایک حادثہ عظیم ہوگا۔ (اے مخاطب) جس دن تو اس کو دیکھے گا (اس دن یہ حال ہوگا کہ) تمام دودھ

پلانے والی عورتیں اپنے بچوں کو بھول جائیں گی اور تمام حمل والیوں کے حمل گر پڑیں گے اور لوگ تجھ کو متوالے نظر آئیں گے مگر وہ متوالے نہیں ہوں گے بلکہ (عذاب دیکھ کر مدہوش ہو رہے ہوں گے) بیشک اللہ کا عذاب بڑا سخت ہے‘‘

لہٰذا اے نبیؐ ان کو نظر انداز کیجیے، اگر یہ ڈھیٹ بن گئے ہیں، ماننا نہیں چاہتے تو انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیں۔ آپؐ کا کام ہے تذکیر کرنا۔ یہ خاص طور پر سرداران قریش کے حوالے سے بات ہو رہی ہے کہ آپؐ انہیں منہ نہ لگایئے انہیں۔ انہیں راہ حق پر آنا ہے تو آئیں، ورنہ یہ اپنے بدترین انجام سے دوچار ہوں گے۔ اللہ کو کسی کی پرواہ نہیں ہے۔ اس نے نوع انسانی کی ہدایت کے لیے نبوت و رسالت کا سلسلہ جاری فرمایا۔ آپؐ کے ذمے ہے اللہ کا پیغام پہنچا دینا۔ اس سے آگے آپؐ ان کے معاملات کے ذمہ دار نہیں۔ جس دن یہ اپنے انجام سے دوچار ہوں گے تب کیا ہوگا، فرمایا:

﴿یَوۡمَ لَا یُغۡنِیۡ عَنۡہُمۡ کَیۡدُہُمۡ شَیۡئًا وَّ لَا ہُمۡ یُنۡصَرُوۡنَ ﴿۴۶﴾﴾

’’جس دن ان کا کوئی داؤ کچھ بھی کام نہ آئے اور نہ ان کو (کہیں سے) مدد ہی ملے‘‘۔

اس دن کے حوالے سے قرآن مجید کے ایک دوسرے مقام پر آیا ہے کہ:

﴿لَّا بَیۡعٌ فِیۡہِ وَ لَا خُلَّۃٌ وَّ لَا شَفَاعَۃٌ﴾ (البقرۃ: ۲۵۴)

’’(اس روز) کوئی سودا نہ شفاعت، نہ کوئی دوستی کام آئے گی، نہ ہی کسی قسم کی کوئی مدد پہنچے گی‘‘۔

مختصر یہ کہ اس دن کسی کی کوئی تدبیر کارگر نہیں ہو سکتی۔

﴿وَ اِنَّ لِلَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡا عَذَابًا دُوۡنَ ذٰلِکَ وَ لٰکِنَّ اَکۡثَرَہُمۡ لَا یَعۡلَمُوۡنَ ﴿۴۷﴾﴾

’’اور ظالموں کے لیے اس کے سوا اور عذاب بھی ہے لیکن ان میں سے اکثر نہیں جانتے‘‘۔

ان کا سب سے بڑا ظلم اللہ کی آیات کا انکار اور تکذیب ہے، اللہ کے رسول ﷺ کا استہزاء اور مذاق ہے۔ ایسے ظالموں کے لیے ایک عذاب اور بھی ہے۔ ایک تو قیامت کا عذاب ہے لیکن اس سے پہلے بھی ان کے لیے ایک عذاب ہے۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ اس سے دنیوی عذاب مراد ہے۔ مشرکین عرب کو مسلمانوں کے ہاتھوں جو شکست ہوئی، وہ عذاب الٰہی ہی کی صورت تھی۔ بدر میں نہتے مسلمانوں کے ہاتھوں ان کے ستر سردار مارے گئے۔ یہ عذاب کی پہلی قسط تھی۔

﴿وَ اصۡبِرۡ لِحُکۡمِ رَبِّکَ فَاِنَّکَ بِاَعۡیُنِنَا وَ سَبِّحۡ بِحَمۡدِ رَبِّکَ حِیۡنَ تَقُوۡمُ ﴿۴۸﴾﴾

’’اور تم اپنے رب کے حکم کے انتظار میں صبر کیے رہو تم تو ہماری آنکھوں کے سامنے ہو اور جب اٹھا کرو تو اپنے رب کی تعریف کے ساتھ تسبیح کیا کرو‘‘۔

خطاب نبی اکرم ﷺ سے ہے لیکن مسلمان جو دیکھ رہے تھے کہ ابوجہل کتنی سختی کر رہا ہے۔ امیہ بن خلف حضرت بلال ؓ کے ساتھ کیا کر رہا ہے۔ حضرت خباب ؓ کے ساتھ کیا معاملہ ہو رہا ہے۔ حضرت یاسر ؓ اور ان کی اہلیہ سمیہ ؓ کے ساتھ کیسا بُرا معاملہ کیا جا رہا ہے لیکن ان پر کوئی گرفت نہیں آ رہی، اللہ کی طرف سے پکڑ نہیں آ رہی۔ ان پر اللہ کا عذاب کب آئے گا۔ کسی کے دل میں یہ بات آ سکتی ہے۔ لہٰذا اے نبیؐ آپ اپنے رب کے فیصلے کا صبر کے ساتھ انتظار کیجیے۔ یہ لوگ اللہ کی پکڑ سے نکلنے والے نہیں ہیں۔ جب اللہ کا فیصلہ ہوگا تب ہی ان پر گرفت آئے گی، اس وقت تک آپؐ کو بھی اور مسلمانوں کو بھی انتظار اور صبر کرنا۔ ظاہر ہے اس کا اصل رُخ ان مسلمانوں کی طرف تھا جن کے دل میں یہ بات آتی تھی۔ قرآن مجید میں دوسرے مقامات پر اللہ تعالیٰ نے کھولا ہے کہ اس ذریعے سے دراصل اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو آزماتا ہے۔ جب وہ آزمائش کی بھٹیوں سے گزرتے ہیں تو کندن بن کر نکلتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جو امتحان کا نظام بنایا ہے یہ اس سلسلے کا حصہ ہے۔ یہاں ایک طرف حضورؐ کو اور صحابہؓ کو تسلی ہے تو دوسری طرف اس کا رخ مشرکین کی طرف بھی ہے کہ تم یہ نہ سمجھو کہ اللہ تعالیٰ کی گرفت سے نکل سکتے ہو۔ اس کے ساتھ آپؐ کی دلجوئی کی گئی ہے کہ اے نبی آپؐ اللہ کی آنکھوں میں ہیں۔ اس میں بڑی اپنائیت ہے، بڑی محبت کا انداز ہے۔ بعض نے ترجمہ کیا آپؐ ہماری حفاظت میں ہیں۔ ہردم ہماری نگاہوں کے سامنے ہیں۔ اس سے زیادہ اطمینان کی کیفیت کوئی ہو ہی نہیں سکتی تھی۔ مسلمانوں اور خود نبی اکرم ﷺ پر جو کچھ سختیاں ہو رہی تھیں، جو حالات تھے ان میں یہ جملہ حضورؐ کے لیے کتنا اطمینان بخش ہوگا، اس کا ہم اندازہ نہیں کر سکتے۔ آگے آپؐ کو ایک اور ہدایت کی گئی کہ محفل سے جب اٹھیں تب بھی اللہ کی تسبیح بیان کریں۔ چنانچہ محفل سے اٹھنے کی مسنون دعا ہے: ((سُبۡحَانَکَ اللّٰھُمَّ وَبِحَمۡدِکَ اَشۡھَدُ اَنۡ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اَنۡتَ اَسۡتَغۡفِرُکَ وَاَتُوۡبُ اِلَیۡکَ)) (ابوداؤد)۔ آپؐ کو ہر حال میں تسبیح کا حکم تھا۔ دراصل سونے جاگنے، کھانے پینے، دن رات کے معمولات کی آپؐ سے منقول دعائیں تسبیح و تحمید ہی کی صورت ہیں۔ ان دعاؤں کا اہتمام ہمیں بھی کرنا چاہیے۔

آگے فرمایا:

﴿وَ مِنَ الَّیۡلِ فَسَبِّحۡہُ وَ اِدۡبَارَ النُّجُوۡمِ ﴿۴۹﴾﴾

’’اور رات کے بعض اوقات میں بھی اور ستاروں کے غروب ہونے کے بعد بھی اس کی تنزیہ کیا کرو‘‘۔

رات کے وقت میں ذکر سے مراد سب کے نزدیک تہجد کی نماز ہے۔ رات کو اٹھنا اور نوافل میں قرآن پڑھنا، یہ تکبیر بھی ہے، تسبیح بھی ہے اور تحمید بھی ہے۔ جب صبح صادق ہوتی ہے اور ذرا سی روشنی پھیلنا شروع ہوتی ہے تو گویا ستاروں کی رخصتی کا وقت آ جاتا ہے۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے آسمان ستاروں کے ساتھ مزین ہے، چمک رہا ہے اور جونہی صبح کی پہلی پو نمودار ہوئی، وہ بارات رخصت ہوگئی۔ یہ وقت بھی بہت اہم ہے۔ لہٰذا تاکید کی جا رہی ہے کہ ان اوقات میں کثرت سے اللہ کو یاد رکھیے۔ یہاں پر یہ سورۂ مبارکہ مکمل ہوگئی۔ اگلی سورۃ النجم بھی ستاروں کے ذکر سے شروع ہو رہی ہے۔ اس کی ابتدائی آیات میں حضور ﷺ کے سفر معراج کا تذکرہ ہے۔ اس کا مطالعہ ہم آئندہ جمعہ کریں گے۔ (ان شاء اللہ)

(مرتب: فرقان دانش)

معمارِ پاکستان نے کہا:

’’اسلامی حکومت کے تصور کا یہ امتیاز ہمیشہ پیش نظر رہنا چاہیے کہ اس میں اطاعت اور وفاکیشی کا وجود اللہ کی ذات ہے جس کی تعمیل کا عملی ذریعہ قرآن مجید کے احکام اور اصول ہیں۔ اسلام میں اصلاً نہ کسی بادشاہ کی اطاعت ہے نہ پارلیمان کی، نہ کسی اور شخص یا ادارہ کی۔ قرآن کریم کے احکامات ہی سیاست و معاشرت میں ہماری آزادی اور پابندی کی حدود متعین کرتے ہیں۔ اسلامی حکومت، دوسرے الفاظ میں قرآنی اصول و احکام کی حکمرانی ہے اور حکمرانی کے لیے آپ کو لامحالہ علاقے اور مملکت کی ضرورت ہے‘‘۔

(عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد کے طلبہ سے ملاقات)

ضرورت ہے

تنظیم اسلامی کے شعبہ نشر و اشاعت کو انگریزی مترجم کی ضرورت ہے جو انگریزی مضامین اور اخباری کالموں کا اُردو میں سلیس اور بامحاورہ ترجمہ کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ اس کے لیے کُل وقتی یا جُز وقتی دونوں طرح کام کرنے کے خواہشمند افراد رابطہ کر سکتے ہیں۔

رابطہ: ایوب بیگ مرزا، مرکزی ناظم نشر و اشاعت، تنظیم اسلامی، پاکستان، K-36 ماڈل ٹاؤن، لاہور

فون: 042-35869501-3

E-mail: media@tanzeem.org

publications@tanzeem.org

قرآن کی راہ میں پائی شہادت
عظمتوں والی ہے یہ سعادت

انجینئر نوید احمد

معروف مفسرِ قرآن ، مبلغِ اسلام اور جید عالمِ دین مولانا اسلم شیخو پوری، مورخہ 13 مئی بروز اتوار، درسِ قرآن دے کر گھر جا رہے تھے کہ سفاک قاتلوں کی درندگی کا نشانہ بن کر خالقِ حقیقی سے جا ملے۔ بلا شبہ قرآن کی راہ میں حاصل ہونے والی یہ شہادت ایک عظیم سعادت ہے۔ اللہ اُن کی بخشش فرمائے، اُن کے درجات بلند فرمائے، اُنہیں جنت کی اعلیٰ نعمتوں سے سرفراز فرمائے اور لواحقین کو صبرِ جمیل عطا فرمائے۔ آمین!

مولانا تین سال کی عمر میں فالج کے حملہ کی وجہ سے دونوں ٹانگوں سے معذور ہو گئے تھے۔ اُنہوں نے راضی برضائے رب کی اعلیٰ مثال قائم کی اور معذوری کو کبھی بھی دینی خدمات کے حوالہ سے مجبوری نہ بننے دیا۔ عوارض کا بڑی دلیری سے دیوانہ وار مقابلہ کیا۔ علمِ دین میں رسوخ، تحریر و تقریر میں مہارت ، درس و تدریس میں لیاقت اور تالیف و تصنیف میں امتیازی صلاحیت کی نہایت درخشاں مثال قائم کی۔ ایک بلند ہمت اور جواں مرد معذور فرد کی جہدِ مسلسل ہم جیسے غیر معذور افراد کے لیے ایک حجت کا درجہ رکھتی ہے۔ اللہ ہماری کوتاہیوں کو معاف فرمائے اور ہمیں بھی استقامت سے خدمتِ دین کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

عام لوگوں کو تنازع للبقاء کی آہنی زنجیر ، مساجد و مدارس سے اسکولوں اور کالجوں کی طرف لے جاتی ہے۔ مولانا کا معاملہ بالکل برعکس رہا۔ اُن کی فطرت کی سلامتی ، اُنہیں چوتھی کلاس کے بعد اسکول سے مسجد کی طرف لے آئی۔ محض گیارہ ماہ کے عرصہ میں حفظِ قرآن کی تکمیل کی۔ ابتدائی تعلیم شیخو پورہ کے مدارس سے حاصل کی۔ مزید علم کے حصول کے لیے گوجرانوالہ کے مدرسہ نصرت العلوم سے فیض حاصل کیا۔ اعلیٰ تعلیم کے لیے کراچی کے جامعہ اسلامیہ بنوریہ میں داخلہ لیا اور یہیں سے درسِ نظامی کی سند حاصل کی۔

مولانا جامعہ بنوریہ سائیٹ میں مدرس کی حیثیت سے فرائض انجام دیتے رہے۔ گزشتہ دس سال سے ”ضربِ مومن“ میں پکار کے نام سے کالم تحریر کرتے رہے۔ 2003 ء سے دروس قرآن دینے کا سلسلہ شروع کیا۔ شہر کراچی کے کئی مقامات پر تعلیمات قرآنی کی تبلیغ کرتے رہے۔ ”درس قرآن ڈاٹ کام“ کے نام سے ویب سائیٹ پر آپ کے دروس سے پوری دنیا میں اردو سمجھنے والے مسلمان استفادہ کر رہے ہیں۔ گزشتہ کئی سال سے ”القرآن کورسز نیٹ ورک“ کے ذریعہ سے علومِ قرآنی کی تدریس کا سلسلہ جاری کیے رکھا۔

مولانا کی تحریر سادہ ، سلجھی ہوئی، مشکل اصطلاحات سے پاک ، انتہائی رواں اور امت کے درد سے لبریز محسوس ہوتی تھی۔ تحریر کا مقصد محض اپنی علمیت کا اظہار نہیں بلکہ امت کی اصلاح تھا۔ اُن کی تصانیف میں سات جلدوں پر مشتمل ندائے منبر و محراب، آسان درسِ قرآن و حدیث، درسِ مسلم، خزینہ اور عشاقِ قرآن کے ایمان افروز واقعات شامل ہیں۔ مولانا تسہیل القرآن کے نام سے تفسیرِ قرآن تحریر فرما رہے تھے۔ ابھی چار جلدوں میں ساڑھے سترہ پاروں کی تفسیر مکمل ہوئی تھی کہ اُن کا وقتِ شہادت آ گیا۔

اللہ نے مولانا کو وسیع علم کے ساتھ ساتھ اظہارِ بیان کا نہایت عمدہ سلیقہ عطا فرمایا تھا۔ آپ کی گفتگو مربوط، مدلل اور فکر انگیز ہوتی تھی۔ وہ ہمیشہ حاضرین کی ذہنی سطح اور اُن کے سماجی پس منظر کو سامنے رکھتے ہوئے گفتگو کرتے تھے۔ انداز انتہائی نرم و شیریں تھا لیکن موقف حد درجہ سخت ہوتا تھا۔ کفر و الحاد اور معاشرتی برائیوں کی مذمت اور اُن سے بچنے کی تلقین ہر تقریر کا مرکزی مضمون ہوتا تھا۔ اُن کی گفتگو سے جھلکتا ہوا اخلاص ، بے نفسی اور حلاوت، سننے والوں کو آپ کا گرویدہ بنا دیتی تھی۔

مولانا علم و عمل کے پیکر، جہاد باللسان اور جہاد بالقلم کے شہسوار، تصنیف و تالیف کے ماہر یعنی انتہائی جامع الصفات شخصیت کے حامل تھے۔ اِن بلندیوں اور رفعتوں سے متصف ہونے کے باوجود آپ میں عاجزی و انکساری کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ آپ انتہائی ملنسار، خوش اخلاق اور محبت کرنے والے انسان تھے۔ جو کچھ دل میں ہوتا تھا وہ زبان پر لے آتے تھے۔ حق گوئی اور بے باکی کا یہ عالم تھا کہ اِس حوالے سے کسی مصلحت کو رکاوٹ نہیں بننے دیتے تھے۔ ایک بار راقم کے سامنے آپ نے ایک معروف مذہبی و سیاسی رہنما سے کہا: ”آپ کب تک انتخابی سیاست میں شامل ہو کر شکست کی خفت اٹھاتے رہیں گے۔ خدارا انتخابی سیاست کے نتائج پر غور کریں۔ اللہ نے قرآن میں بدر اور فتح مکہ کا ذکر مختصر کیا ہے لیکن احد میں شکست کے اسباب کا تفصیلی تجزیہ کیا ہے۔ مقصود یہ ہے کہ مسلمان اپنی کمزوریوں کا احساس کریں، اُن پر قابو پائیں اور بہتر نتائج حاصل کریں“۔

مولانا اسلم شیخو پوری نے ویسے تو دین کے ہر شعبہ میں اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوایا لیکن قرآن کی تعلیمات کو عام کرنے اور لوگوں کو قرآن سے قریب کرنے کا اُنہیں جنون کی حد تک ذوق و شوق تھا۔ اِس میں کوئی شک نہیں کہ وہ فنافی القرآن تھے۔ اُنہوں نے عوامی دروس قرآن کے کئی حلقے قائم کر کے شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کی اُس آرزو کی تکمیل کی جس کا ذکر مفتی محمد شفیعؒ نے اپنی تصنیف ”وحدتِ امت“ میں اِس طرح کیا ہے:

”مالٹا کی قید سے واپس آنے کے بعد ایک رات بعد عشاء دارالعلوم میں تشریف فرما تھے۔ علماء کا بڑا مجمع سامنے تھا۔ اُس وقت فرمایا کہ ”ہم نے تو مالٹا کی زندگی میں دو سبق سیکھے ہیں“۔ یہ الفاظ سن کر سارا مجمع ہمہ تن گوش ہو گیا کہ اس استاذ العلماء درویش نے 80 سال علماء کو درس دینے کے بعد آخر عمر میں جو سبق سیکھے ہیں وہ کیا ہیں؟ فرمایا کہ:

”میں نے جہاں تک جیل کی تنہائیوں میں اِس پر غور کیا کہ پوری دنیا میں مسلمان دینی اور دُنیوی ہر حیثیت سے کیوں تباہ ہو رہے ہیں تو اِس کے دو سبب معلوم ہوئے۔ ایک اُن کا قرآن کو چھوڑ دینا، دوسرے اُن کے آپس کے اختلافات اور خانہ جنگی۔ اِس لیے میں وہیں سے یہ عزم لے کر آیا ہوں کہ اپنی باقی زندگی اِس کام میں صرف کروں کہ قرآنِ کریم کو لفظاً و معناً عام کیا جائے، بچوں کے لیے لفظی تعلیم کے مکاتب ہر بستی بستی میں قائم کیے جائیں، بڑوں کو عوامی درسِ قرآن کی صورت میں اِس کے معانی سے روشناس کرایا جائے اور قرآنی تعلیمات پر عمل کے لیے آمادہ کیا جائے اور مسلمانوں کے باہمی جنگ و جدال کو کسی قیمت پر برداشت نہ کیا جائے“۔

نباضِ امت نے ملت مرحومہ کے مرض کی جو تشخیص اور تجویز فرمائی تھی، باقی ایامِ زندگی میں ضعف و علالت اور ہجومِ مشاغل کے باوجود اس کے لیے سعی پیہم فرمائی۔ بذاتِ خود دروسِ قرآن شروع کرایا، جس میں تمام علمائے شہر اور حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ اور حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ جیسے علماء بھی شریک ہوتے تھے اور عوام بھی۔ اِس ناکارہ کو اس درس میں شرکت کا

شرف حاصل رہا ہے۔ مگر اِس واقعہ کے بعد حضرتؒ کی عمر ہی گنتی کے چند ایام تھے۔ ع

آں قدح بہ شکست و آں ساقی نماند

آج بھی مسلمان جن بلاؤں میں مبتلا اور جن حوادث وآفات سے دوچار ہیں، اگر بصیرت سے کام لیا جائے تو اُن کے سب سے بڑے سبب یہی دو ثابت ہوں گے، قرآن کو چھوڑنا اور آپس میں لڑنا۔ غور کیا جائے تو یہ آپس کی لڑائی بھی قرآن کو چھوڑنے ہی کا لازمی نتیجہ ہے۔ قرآن پر کسی درجے میں بھی عمل ہوتا تو خانہ جنگی یہاں تک نہ پہنچتی''۔

یہ مولانا اسلم شیخوپوریؒ کی قرآن سے محبت ہی تھی کہ ہم نے جب بھی اُنہیں اپنی کسی محفل میں درسِ قرآن کی دعوت دی اُنہوں نے کمالِ شفقت سے اُسے قبول فرمایا۔ نہ صرف انتہائی پرجوش اور مؤثر خطاب فرمایا بلکہ ڈاکٹر اسرار احمدؒ کی خدماتِ قرآنی کی بڑے کھلے دل سے تحسین کی۔ جب 14 اپریل 2010ء کو ڈاکٹر اسرار احمدؒ کا وصال ہوا تو اُنہوں نے ضربِ مومن کی 29 اپریل 2010ء کی اشاعت میں ایک تعزیتی کالم لکھا۔ اس کالم میں تحریر فرمایا:

''برصغیر پاک و ہند میں ''رجوع الی القرآن'' کی اوّلین اور پرزور دعوت کا شرف حاصل ہے شاہ ولی اللہؒ اور اُن کے خانوادے کو۔ پھر اِس دعوت کے وارث بنے علماء دیوبند اور علماءِ دیوبند میں سے بھی نمایاں مقام ملا حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کو جو مالٹا جیل میں بڑھاپے اور ضعیفی کے پونے چار سال گزارنے کے بعد ہندوستان واپس آئے تھے تو یہ عزم لے کر آئے تھے کہ میں اپنی باقی زندگی قرآنِ کریم کو لفظاً اور معناً عام کرنے میں لگا دوں گا۔

مستند علماء میں سے بیسیوں تھے جنہوں نے اپنی زندگیاں حضرت شیخ الہندؒ کے مشن کے لیے وقف کر دیں۔ درسِ قرآن کے حلقے بھی قائم کیے اور مدارس کی سالانہ تعطیلات میں دورۂ تفسیر کا اہتمام بھی کیا۔ غیر علماء میں سے جن حضرات کو حضرت شیخ الہندؒ کی شخصیت اور فکر نے بہت زیادہ متاثر کیا اُن میں ڈاکٹر اسرار احمدؒ کا نام بہت نمایاں ہے۔ وہ حضرت شیخ الہندؒ کو حضرت شاہ ولی اللہؒ کی جامعیتِ کبریٰ کا عکسِ کامل اور اپنے آپ کو حضرت شیخ کے علوم و معارف کا خوشہ چیں اور فکری جانشیں قرار دیتے تھے''۔ آگے تحریر فرماتے ہیں:

چونکہ نہ تو وہ کسی مدرسہ کے سند یافتہ عالم تھے، نہ کسی شیخ سے اُنہوں نے اپنا اصلاحی تعلق قائم کیا تھا، اِس لیے حضرت شیخ الہندؒ کے حلقے کے اکثر علماء اُن کے بارے میں متردد اور متذبذب رہے۔ اُن کا تذبذب بلاوجہ نہیں تھا۔ وہ دیکھ چکے تھے کہ انکارِ ختم نبوت سے لے کر انکارِ حدیث تک اکثر تحریکیں دعوتِ قرآن ہی کے پُرکشش عنوان سے اٹھیں اور اُن کے بانیوں نے اپنے پیروکاروں کو علماءِ حق سے بدگمانی بلکہ متنفر کرنے اور اُن کے اندر نظریاتی آوارگی کے زہریلے بیج بونے میں وہ کردار ادا کیا جو اسلام کے کھلے دشمن بھی نہ کر سکے۔ علماء کے ذہنی تحفظات کا ڈاکٹر صاحب کو احساس تھا اور وہ اُنہیں مطمئن کرنے کی کوشش کرتے رہتے تھے۔ خود علماء کی خدمت میں حاضر ہوتے، اُنہیں اپنی سالانہ قرآن کانفرنسوں میں شرکت کی دعوت دیتے اور اُن کی تنقید کو خندہ پیشانی سے سنتے۔ اپنی تحریروں اور تقریروں میں اپنی لغزشِ قلم اور سبقتِ لسانی کا اعتراف بھی کرتے رہتے تھے۔ اُنہوں نے اپنی جماعت میں بیعت کا جو طریقہ اختیار کیا اُس پر بھی اعتراضات کیے گئے۔ اُن کے بعض تفردات بھی زیر بحث آئے مگر اِس سب کے باوجود دعوت الی القرآن کے حوالے سے اُن کی خدمات کا انکار صریحی ناانصافی ہوگی۔ ''حضرت شیخ الہندؒ کے حوالے سے کہا جاتا ہے کہ وہ مولانا ابوالکلام آزاد کے بارے میں کہا کرتے تھے کہ ''اِس نوجوان نے ہمیں ہمارا بھولا ہوا سبق یاد دلایا۔'' اگر اِس میں تھوڑی سی ترمیم کرتے ہوئے یوں کہا جائے تو شاید بے جا نہ ہوگا کہ ''ایک ڈاکٹر نے ہمیں ہمارا بھولا ہوا سبق یاد دلا دیا''۔

ابلاغ کے جدید ذرائع اختیار کرنے کے حوالے سے کچھ علماء کرام انشراح محسوس نہیں کرتے۔ اُن کے برعکس مولانا اسلم شیخوپوری نے تعلیماتِ قرآنی پھیلانے کے لیے ہر طرح کے ذرائع ابلاغ کو استعمال کیا۔ اِس حوالے سے انہوں نے مذکورہ بالا کالم میں ڈاکٹر اسرار احمدؒ کی تحسین کرتے ہوئے تحریر فرمایا:

'' ابلاغ کے جتنے بھی ذرائع تھے، اُنہوں نے بھرپور طریقے سے اُن کا استعمال کیا۔ چنانچہ چند ہی سالوں میں اُن کی آواز اکنافِ عالم میں پھیل گئی۔ نوجوان نسل اُن کا خصوصی ہدف تھی۔ اِس نسل کو قرآن کے قریب لانے بلکہ قرآن کا داعی اور مبلغ بنانے کے لیے اُنہوں نے مختصر اور طویل دورانیے پر مشتمل مختلف کورسز شروع کیے اور دیکھتے ہی دیکھتے مدرسینِ قرآن کی پوری جماعت وجود میں آ گئی''۔

مولانا خود بھی عاجزانہ مزاج رکھتے تھے اور دوسروں کو بھی اِس کی نصیحت کرتے تھے۔ وہ اِس بات پر اطمینان کا اظہار فرماتے تھے کہ ڈاکٹر اسرار احمدؒ کے متعلقین علماء کرام کے ادب و احترام کو پوری طرح ملحوظ رکھتے ہیں۔ اُن کی ذاتی تواضع کا یہ عالم تھا کہ بذاتِ خود ایک بلند پایہ علمی شخصیت ہونے کے باوجود ایک مرتبہ راقم سے فرمائش کی کہ مجھے وہ تمام کتب درکار ہیں جو آپ کے ہاں مختلف کورسز میں پڑھائی جاتی ہیں۔ ایک بار میں نے اُن کی خدمت میں تنظیمِ اسلامی کے تحت شائع ہونے والا ماہنامہ رسالہ میثاق پیش کیا تو فرمایا مجھے اِس رسالہ سے دلی لگاؤ ہے۔ میں زمانۂ طالبِ علمی میں اِس کا باقاعدگی سے مطالعہ کرتا رہا ہوں۔

مولانا اسلم شیخوپوری ایک صاحبِ بصیرت عالمِ دین، مخلص خادمِ قرآن، امت کا غم کھانے والے خیر خواہ، ہر دلعزیز مصنف و مدرس تھے۔ اُنہوں نے خود کو ہمیشہ جماعتی وابستگیوں اور فرقہ وارانہ مسلکی اختلافات سے دور رکھا۔ ایسے بے ضرر انسان کو شہید کرنے والے عناصر بہت بڑے ظلم کے مرتکب ہوئے ہیں۔ وہ ایک بااصول انسان تھے اور تحریر و تقریر میں اصولی موقف ہی اختیار کرتے تھے۔ اُن کی تحریر و تقریر میں مادر پدر آزاد مغربی تہذیب کی زوردار مذمت اور عام معاشرتی برائیوں پر بڑی مدلل تنقید پورے زور و شور سے ہوتی تھی۔ جو عناصر ان برائیوں میں ملوث ہیں، اُنہیں مولانا کے بیانات میں اپنا مکروہ کردار بے نقاب ہوتا نظر آتا تھا۔ محسوس ہوتا ہے کہ اُنہی ظالموں نے اپنی خفت مٹانے کے لیے حق کی صدا لگانے والی آواز کو خاموش کرنے کی کوشش کی ہے۔ لیکن اُن بدبختوں کی مکروہ سازشیں ہرگز کامیاب نہ ہوں گی۔ مولانا کے دو ہزار سے زائد بیانات ریکارڈ ہیں جو اُن کی ویب سائٹ ''درس قرآن ڈاٹ کام'' پر دستیاب ہیں۔ یہ بیانات مولانا کے مشن کو جاری و ساری رکھیں گے اور اُن کے پرستاروں کو علمی و روحانی غذا فراہم کرتے رہیں گے۔

اللہ تعالیٰ مولانا کے تمام پرستاروں کو توفیق عطا فرمائے کہ وہ مولانا کے مشن کو جاری و ساری رکھنے کے لیے قرآن کی تعلیمات سیکھیں اور سکھائیں۔ اِس طرح وہ نہ صرف مولانا کے لیے صدقۂ جاریہ بن جائیں گے بلکہ مولانا کی خدمات کے اعتراف اور اُنہیں خراجِ تحسین پیش کرنے کا یہی سب سے احسن طریقہ ہے۔

تنظیم اسلامی کا پیغام
نظام خلافت کا قیام

علم کی شاہ کلید

محمد یوسف اصلاحی

آپ مصنف ہوں یا محقق، طالب علم ہوں یا استاد، ادیب ہوں یا شاعر، مقرر ہوں یا مفکر، سائنس دان ہوں یا صنعت کار، عالم ہوں یا صوفی، جج ہوں یا وکیل، کچھ بھی ہوں، یہ یقین کر لیجئے کہ اگر آپ نے قرآن حکیم نہیں پڑھا ہے تو آپ حقیقی علم سے محروم ہیں۔ آپ علم کی چاشنی سے نابلد ہیں اور آپ کو ابھی علم کا سرا بھی نہیں ملا ہے۔ علم کا سرچشمہ قرآن ہے۔ علم کی شاہ کلید قرآن ہے اور وہ شخص یقیناً علم سے محروم ہے جو قرآن سے محروم ہے۔ قرآن ہی سے آپ کو حقیقت کا سراغ مل سکتا ہے۔ قرآن ہی آپ کی علمی پیاس بجھا سکتا ہے۔ قرآن ہی آپ کے ذوقِ علم کی تسکین کر سکتا ہے اور اگر آپ کلام کے جوہر شناس ہیں تو قرآن ہی آپ پر کلام کے جوہر آشکارا کر سکتا ہے۔

قرآن سے شغف زندگی کا حاصل ہے۔ اس میں غور و فکر انسانیت کی معراج ہے اور اس کی روشنی میں اپنی شخصیت کی تعمیر سعادت و خوش بختی کا راز ہے۔ اس سے ہدایت حاصل کرنا دانشمندی اور اس کی ہدایت پر چلنا کامیابی کی ضمانت ہے۔

اس خوش نصیب کی قسمت پر جتنا رشک کیا جائے کم ہے، جسے اللہ نے قرآن پاک کا شغف بخشا ہے، اسے پڑھنے، سننے اور اس میں غور و فکر کا موقع عنایت فرمایا ہے اور یہ توفیق عطا فرمائی ہے کہ وہ اس کی روشنی میں اپنی شخصی، خاندانی، سماجی اور ملکی زندگی کی تعمیر کرے اور اسی طرح اس محروم کی زندگی پر جتنا افسوس کریں کم ہے، جسے اللہ نے سوجھ بوجھ عطا فرمائی، پڑھنے لکھنے کا موقع عنایت فرمایا لیکن اُس نے اِدھر اُدھر کے دوسرے علوم تو حاصل کیے البتہ وہ قرآن کے علم سے محروم ہے۔ اور اگر اسے اپنی محرومی کا احساس بھی نہیں ہے تو خون کے آنسوؤں سے بھی اس کی تلافی نہیں ہو سکتی۔

قرآن عجیب و غریب کتاب ہے اور رُوئے زمین پر یہی ایک کتاب ہے جسے حقیقت میں کتاب کہا جا سکتا ہے۔ ہر حیثیت سے یہ کامل اور مکمل ہے اور موضوع پر جامع، مستند اور حرفِ آخر ہے۔ آپ دنیا کی کوئی کتاب پڑھیں، کسی فن کا مطالعہ کریں۔ بے شک آپ کی معلومات میں کچھ اضافہ ہوگا، کچھ دماغی اور ذہنی صلاحیتوں میں اضافہ ہوگا، کچھ فنی اصول اور ضوابط معلوم ہوں گے، کسی قدر سوجھ بوجھ سے کام لینے کے آپ عادی ہو جائیں گے۔ لیکن آپ کا دل بدل جائے، آپ کی شخصیت بدل جائے، آپ کے اندرون میں منظم اور کامل انقلاب آ جائے، آپ کی زندگی کی قدریں بدل جائیں، آپ کے فکر و نظر کے زاویے بدل جائیں، ترک و اختیار کے معیار بدل جائیں، آپ کی زندگی کا رخ بدل جائے، تو یہ کام دنیا کی کوئی کتاب نہیں کر سکتی۔ یہ کمال قرآن کو حاصل ہے اور صرف قرآن کو۔

[پھر یہ کہ کسی دوسری کتاب کو آپ زیادہ سے زیادہ دو چار دس مرتبہ پڑھ لیں گے پھر اُس پر باسی پن طاری ہو جائے گا اور آپ کی طبیعت بھی اُکتا جائے گی۔ قرآن کا معجزہ ہے کہ آپ ہمیشہ اس بحرِ بے کنار سے ہیرے اور موتی نکالتے رہیں گے، اِس کے کلام میں ہمیشہ تازگی رہے گی اور آپ کبھی سیر نہ ہوں گے۔ علاوہ ازیں کبھی کوئی شخص یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ اُس نے قرآن کے علوم پر عبور حاصل کر لیا ہے۔ (اضافہ)]

دراصل زندگی کے بگاڑ یا بناؤ کا دارومدار دل پر ہے۔ شخصیت کی تعمیر ہو یا تخریب، اس معاملے میں دل کا عمل ہی فیصلہ کن ہوتا ہے۔ دل اگر صحت مند ہے تو پوری زندگی صحت مند ہے۔ دل اگر مریض ہے تو پوری زندگی مرض کا شکار ہے۔ دل کا رخ صحیح ہے تو زندگی کا رُخ صحیح ہے اور اگر دل کا رخ غلط ہے تو پوری زندگی کا رُخ غلط ہے۔ دل ہی جذبات کی آماجگاہ ہے۔ وہی ارادوں کا مخزن ہے اور ہر اقدام کا فیصلہ دل ہی کی دنیا میں ہوتا ہے۔ رسول کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

”سنو جسم میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے، جب وہ سدھر جاتا ہے تو پوری شخصیت سدھر جاتی ہے اور جب یہ بگڑ جاتا ہے تو پوری شخصیت بگڑ جاتی ہے۔ سن لو! کہ یہ دل کا ٹکڑا ہے۔“ (صحیح بخاری)

دل کی یہ اہمیت نگاہ میں رکھئے اور یہ بات بھی ذہن میں تازہ کر لیجئے کہ روئے زمین پر دل سے خطاب کرنے والی اور دل کو موضوع بنانے والی اور دل کی اصلاح کو نشانہ بنانے والی کتاب صرف اور صرف قرآن ہے۔

قرآن براہِ راست دل کو چھوتا ہے، دل پر اثر انداز ہوتا ہے، دل کی گرہیں کھولتا ہے، دل کی آنکھیں روشن کرتا ہے اور دل کی دنیا میں انقلاب لاتا ہے۔ انسان کے اندرون کو بدلتا ہے اور دھیرے دھیرے اس کتاب کی عظمت و ہیبت کا دل پر ایسا سکہ جمتا ہے کہ تلاوت کے وقت دل لرزنے لگتا ہے، آنکھیں بھیگ جاتی ہیں اور تھوڑی دیر کے لیے آدمی خود کو کسی دوسری دنیا میں محسوس کرتا ہے۔

پھر جس قدر آپ کا شغف اس کتاب سے بڑھتا جائے گا، آپ کا رُواں رُواں اس یقین کی حلاوت محسوس کرے گا کہ شغف کے لائق اگر کوئی کتاب ہے تو وہ صرف قرآن ہے، اور جسے اللہ نے علم و ہدایت کا ذوق بخشا ہے، اس کا دل پکارے گا کہ مطالعہ کے لائق اگر روئے زمین پر کوئی کتاب ہے تو وہ صرف یہی کتاب ہے۔

کس قدر عبرتناک ہے اس شخص کی نادانی جسے اللہ نے سوجھ بوجھ اور علم و فن کا ذوق بخشا ہے اور پھر بھی اس کا محبوب مشغلہ تلاوتِ قرآن کے سوا کچھ اور ہے۔

دنیا کی یہ زندگی چند لمحوں کی زندگی ہے، جو صرف ایک ہی بار ملتی ہے۔ چھن جانے کے بعد پھر کبھی نہیں ملتی۔ جو شخص اس مختصر وقفے کو سچے موتی حاصل کرنے کی بجائے بے قیمت سنگریزوں کے بٹورنے اور ان سے

اگر اللہ نے آپ کے ہاتھ میں قرآن دے دیا ہے تو یہ ثبوت ہے اس بات کا کہ اللہ آپ پر بہت مہربان ہے۔ اس نے اپنی سب سے بڑی نعمت، جس کا بوجھ کائنات کی کوئی بڑی سے بڑی مخلوق بھی برداشت نہیں کرسکتی، آپ کو عطا کردی ہے

کھیلنے میں ضائع کرتا ہے، اس کی نادانی کا کوئی ٹھکانا ہے؟

اگر اب تک آپ نے یہ عجیب و غریب انقلابی کتاب نہیں پڑھی ہے تو اس سانحہ پرخون کے آنسو بہانے سے بھی افسوس کا حق ادا نہیں ہوسکتا۔ دیر نہ کیجئے، اگلے لمحے کی کچھ خبر نہیں، طے کرلیجئے کہ یہ کتاب آپ کو پڑھنا ہے۔ پڑھنے کی طرح پڑھنا ہے۔ پڑھنے کا حق ادا کرنا ہے اور پھر یکسوئی کے ساتھ اس کی تلاوت میں لگ جایئے۔ یہ آپ کی روح کو گرمائے گی، آپ کے ضمیر کو جھنجھوڑے گی، آپ کے دل سے خطاب کرے گی اور خاموشی سے آپ کے دل میں بات اتارے گی کہ آپ کیا ہیں؟ آپ کا آغاز کیا ہے، آپ کا انجام کیا ہے، آپ دنیا میں کیوں آئے ہیں، یہ دنیا کیا ہے؟ اس کا بنانے والا کون ہے، اس سے آپ کا تعلق کیا ہے۔ اس مختصر زندگی میں آپ کو کیا حاصل کرنا ہے، کیوں حاصل کرنا ہے۔ آپ کی حقیقی منزل کیا ہے...... آپ اپنی منزل پر کامیابی کے ساتھ کیسے پہنچ سکتے ہیں۔ آپ کی شخصیت کے چہرے پر کہاں کہاں داغ ہیں۔ یہ داغ کیوں ہیں اور ان کو صاف کرنے کی تدبیریں کیا ہیں۔ آپ اپنی زندگی کی تعمیر کن بنیادوں پر کریں، اپنی شخصیت کی تکمیل کے لیے کس طرح زندگی گزاریں اور ایک کامیاب انسان بننے کے لیے آپ کیا رویہ اختیار کریں۔ پھر قرآن پاک صرف رہنمائی اور تعلیم کا فریضہ ہی انجام نہیں دیتا بلکہ وہ اپنی تعلیم اور رہنمائی پر کاربند ہونے کی داخلی قوت بھی فراہم کرتا ہے۔ اپنی حقیقتوں کو جذب کرنے کی توانائی بھی بخشتا ہے۔ اپنی تعلیمات پر جمنے، ان تعلیمات کے مطابق عملی زندگی بنانے کا جذبہ بھی پیدا کرتا ہے۔ عزم و حوصلہ بھی دیتا ہے اور برابر آگے بڑھتے رہنے کے لیے مسلسل آمادہ بھی کرتا ہے۔ قرآن منزل بھی دکھاتا ہے۔ منزل تک پہنچانے کے لیے رہنمائی بھی کرتا ہے۔ اپنی رہبری میں منزل تک پہنچاتا بھی ہے، اور منزل تک پہنچنے کے لیے داخلی قوت اور توانائی بھی بخشتا ہے۔ یہ خوبی قرآن کے علاوہ دنیا کی کسی کتاب کو حاصل نہیں ہے۔

مگر یاد رکھیے کہ قرآن سے کچھ لینے کے لیے اپنے آپ کو مستحق بنائے بغیر آپ کچھ نہیں لے سکتے۔ اور اس کی تلاوت کا حق ادا کیے بغیر آپ اس سے کچھ نہیں پاسکتے۔ کچھ پانا تو درکنار اگر آپ اس کی تلاوت بے پروائی اور جذبہ اطاعت کے بغیر کسی اور مقصد کے لیے کرتے رہے تو یقین کرلیجئے کہ آپ عبرتناک گھاٹے کی طرف رواں دواں ہیں۔ آپ ہدایت کی راہ پر نہیں ہیں بلکہ ہدایت سے برابر دور ہورہے ہیں۔ آپ کے دل کی آنکھیں برابر بے نور ہورہی ہیں، اور آپ ایک عظیم دولت کو ہاتھ میں لینے کے بعد سب سے بڑے دیوانے بن گئے ہیں۔ کتنی عبرتناک ہے اس بدنصیب کی موت جو چشمۂ شیریں کے کنارے کھڑے کھڑے پیاس کی شدت سے تڑپ تڑپ کر جان دے دے۔

اگر اللہ نے آپ کے ہاتھ میں قرآن دے دیا ہے تو یہ ثبوت ہے اس بات کا کہ اللہ آپ پر بہت مہربان ہے۔ اس نے اپنی سب سے بڑی نعمت، جس کا بوجھ کائنات کی کوئی بڑی سے بڑی مخلوق بھی برداشت نہیں کرسکتی، آپ کو عطا کردی ہے۔ اللہ کا ارشاد ہے: (ترجمہ) ''اگر ہم نے یہ قرآن کسی پہاڑ پر اتار دیا ہوتا تو تم دیکھتے کہ وہ اللہ کے خوف سے دبا جارہا ہے اور پھٹا جاتا ہے۔'' (الحشر:21) اپنی عظمت کا احساس کیجئے کہ اللہ نے آپ کو کتنی عظیم نعمت سے نوازا ہے۔ آپ کو قرآن دے کر رحمت، ہدایت، شفا، نجات، فلاح، کامرانی، فوزِ عظیم سب کچھ حاصل کرنے کا یقینی ذریعہ اس نے آپ کے ہاتھوں میں دے دیا ہے۔ اب یہ آپ کے ظرف، طلب اور کوشش کی بات ہے کہ آپ اس سے کیا حاصل کرتے ہیں، اور کیا حاصل نہیں کرتے۔

قرآن پاک سے جن لوگوں نے واقعی اپنی زندگی کو سنوارا ہے، اور قرآن کی تلاوت اور اس سے شغف کا حق ادا کیا ہے، قرآن میں جگہ جگہ ان کے دلکش کردار کی ایمان افروز جھلکیاں پیش کی گئی ہیں۔ قرآن پاک کے یہ حصے بار بار پڑھنے اور ان سے اپنی روح کو گرمانے کی ضرورت ہے اور جب آپ اس کردار کا کوئی پرتو اپنی زندگی میں پائیں تو اللہ کا شکر ادا کریں اور اپنی کوشش و کاوش کو اور تیز کردیں۔ نمونے کے طور پر ان چند آیات پر غور کریں۔ سورۃ الزمر کی آیت 23 میں ہے: (ترجمہ) ''اللہ نے نہایت ہی اچھی تعلیمات والی کتاب نازل فرمائی ہے۔ جس کی آیتیں باہم ملتی جلتی ہیں (ان میں کوئی اختلاف نہیں اور جس میں مضامین بار بار دہرائے گئے ہیں (کہ دل میں بیٹھ جائیں) اپنے پروردگار سے ڈرنے والے اسے پڑھتے ہیں تو ان کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔ اور پھر ان کے بدن اور ان کے دل اس (کی گرمی) سے پگھل کر اللہ کی یاد کی طرف متوجہ ہوجاتے ہیں۔''

سورۃ الانفال کی آیت نمبر 2 میں ہے: (ترجمہ)

''سچے اہل ایمان تو وہ لوگ ہیں جن کے دل اللہ کا ذکر سن کر لرز جاتے ہیں اور جب اللہ کی آیات ان کے سامنے پڑھی جاتی ہیں تو ان کا ایمان بڑھ جاتا ہے اور وہ اپنے رب ہی پر اعتماد رکھتے ہیں۔''

دورِ رسالت کے ایک مشہور شاعر لبید ابنِ ربیعہ عامری ہیں، جو عرب شعراء میں انتہائی اونچے مقام کے مالک ہیں۔ عربی زبان میں اپنی فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے سات شعراء کے قصیدے مشہور اور مقبول ہیں۔ ان سات قصیدہ گو شعراء میں ایک لبید ابنِ ربیعہ عامری بھی ہیں۔ ایک مرتبہ لبید ابنِ ربیعہ عامری دربارِ رسالت میں حاضر ہوئے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے ان کو قرآن پاک سنایا۔ حضور ﷺ کی زبان مبارک سے اللہ کا کلام سنا تو آنکھیں بھیگ گئیں۔ قرآن کے پُر جوش، سحر انگیز اور انقلابی اندازِ بیان نے اس قدر متاثر کیا، کہ بے اختیار پکار اُٹھے، یہ اللہ ہی کا کلام ہے۔ کلام کے جوہر شناس تھے، مسحور ہوگئے۔ کلام الٰہی نے ان کا دل جیت لیا اور اسی وقت اسلام قبول کرکے دولتِ ایمان سے مالا مال ہوگئے۔

الا کل شی ما خلا اللہ باطل

وکل نعیم لا محالہ زائل

(گوش و ہوش سے سنو، اللہ کے سوا ہر چیز مٹ جانے والی ہے اور ہر نعمت ایک دن لازماً ختم ہوکر رہے گی۔)

جوامع الکلم ﷺ نے یہ شعر سنا تو فرمایا: اصدق بیت بیت لبید (نہایت ہی سچا شعر ہے لبید کا یہ شعر)۔

لبید دولت ایمان سے مالا مال دربار رسالت سے رخصت ہوگئے اور ہمیشہ کے لیے یمن کے ایک گوشے میں قیام پذیر ہوگئے۔ اس کے بعد قرآن پاک کی تلاوت ہی ان کا سب سے محبوب مشغلہ تھا۔ اکثر دل بستگی کے ساتھ قرآن کی تلاوت کرتے تھے۔

حضور ﷺ دنیا سے رخصت ہوگئے۔ خلافت کی گراں قدر ذمہ داری حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سنبھالی اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بعد یہ عظیم ذمہ داری حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سر آگئی۔ فاروقِ اعظمؓ نے اپنے دور خلافت میں شعرائے اسلام کی طرف بھی توجہ دی۔ ان کے کلام کی نقلیں منگوائیں، اور یہ جائزہ لینا چاہا کہ شعرائے عرب اسلامی تعلیمات سے کس حد تک متاثر ہوئے ہیں۔ دوسرے شاعروں کے ساتھ خلیفۂ وقت کا پیغام لبید رضی اللہ عنہ کے پاس بھی پہنچا۔ لبید رضی اللہ عنہ نے پہلے تو عذر کیا لیکن دربارِ خلافت سے دوبارہ مطالبہ کیا گیا تو مجبور ہوگئے اور سورۃ البقرہ کی آخری تین آیتیں امن الرسول سے ختم سورہ تک لکھ کر بھیج دیں اور آخر میں لکھا: ''امیر المومنین! جب سے اللہ کا کلام یاد کیا ہے، اپنا کلام بھول گیا ہوں۔''

محمد بن قاسمؒ ...... فاتح سندھ (۲)

تحریر: فرقان دانش

راجہ داہر کی شکست:

سبی کی فتح کے بعد محمد بن قاسم سالوج اور قندابیل (یعنی قندھار) کی طرف بڑھا۔ یہاں کے لوگ بدھ مت کے پیروکار تھے۔ انھوں نے اطاعت قبول کرلی۔ اس موقع پر محمد بن قاسم کو حجاج نے ہدایات بھیجیں کہ فوج کا عقب اور میسرہ دشمن سے محفوظ ہے لہٰذا اب راجہ داہر سے مقابلہ کیا جائے۔ اس حکم کے ملتے ہی محمد بن قاسم نے فوج کے چند دستے دریا کے مغربی کنارے پر بھیجے تاکہ آس پاس کے علاقوں کو زیر کریں اور خود باقی فوج کو لے کر ٹھٹھہ کے قریب سے دریا پار کرنے کے لیے روانہ ہوگیا۔ راجہ داہر نے ایک بڑا لشکر اپنے بیٹے راجہ جے سنگھ کے ہمراہ دریائے گونگ کے ساتھ قلعہ بیٹ کی طرف بھیجا جبکہ خود ایک بڑے لشکر کے ساتھ دریائے سندھ کے مشرقی کنارے پر مسلم فوج کے مقابل ڈیرے ڈال دیے تاکہ وہ دریا پار نہ کرسکیں۔

اس موقع پر محمد بن قاسم نے سفیر کے ذریعے راجہ داہر کو پیغام بھیجا کہ وہ اسلام قبول کرلے ورنہ جزیہ دے اور انکار کی صورت میں جنگ کے لیے تیار ہو جائے۔ اس خط کا راجہ داہر نے بہت تکبر سے جواب دیا۔ اس دوران محمد بن قاسم نے جاٹوں، میدوں اور ٹھاکروں کی ایک فوج کو منظم کرلیا، اور خود راجہ جے سنگھ کے مقابلے کے لیے بڑھا۔ دوسری طرف سے محمد بن قاسم سے صلح کرنے والے راجہ موکا نے پیش قدمی کی تو راجہ جے سنگھ گھبرا کر پیچھے ہٹ گیا اور راجہ داہر سے جاملا۔ ان دنوں محمد بن قاسم کی فوج میں بخار اور پیچش کی وبا پھیل گئی۔ گھوڑے اور اونٹ بھی بیمار ہو کر مرنے لگے۔ چنانچہ محمد بن قاسم کو حجاج بن یوسف سے کمک اور ادویات طلب کرنا پڑیں۔ حجاج نے فوراً دو ہزار رسالہ سوار اور اتنے ہی اونٹ اور گھوڑے روانہ کیے۔ محمد بن قاسم نے بھی یہاں کے مقامی باشندوں کو بڑی تعداد میں فوج میں بھرتی کرلیا اور تھوڑے ہی عرصے میں اس کی فوج کئی ہزار تک پہنچ گئی۔ محمد بن قاسم کی فوج کی بیماری کی خبر سن کر راجہ داہر نے پیغام بھیجا کہ تم اگر اب بھی واپس چلے جاؤ تو میں تمہارا تعاقب نہیں کروں گا۔ یہ پیغام بھیج کر راجہ داہر سیر و شکار میں مصروف ہوگیا۔ محمد بن قاسم نیرون میں مقیم تھا۔ یہاں راجہ راسل اور جے سنگھ دریا کے کنارے گشت پر مامور تھے تاکہ عربی فوج دریا پار نہ کرسکے۔ یہ انتظامات دیکھ کر محمد بن قاسم نے لشکر کی ایک بڑی تعداد کو خاموشی سے میر پور ساکرہ منتقل کر دیا۔ محمد بن قاسم نے ساکرہ کے مغرب میں پہنچ کر بہت سی کشتیوں کو آپس میں جوڑ کر مضبوط رسّے سے بندھوا دیا اور چند تیراکوں نے دریا پار کر کے کشتیوں کے اس پل کا ایک سرا مضبوطی سے مشرقی کنارے پر باندھ دیا۔ فوج نے کشتیوں کے اس پل سے دریا پار کیا اور راجہ داہر کی فوج کی طرف بڑھے۔ راجہ داہر یہ دیکھ کر واپس پلٹا اور اپنے پایۂ تخت راوڑ کے جنوب کی طرف جے پور میں واقع ایک قلعے میں بند ہو کر لڑنے کا فیصلہ کیا۔ اس قلعے تک پہنچنے کے لیے ایک بڑی دلدل سے گزرنا پڑتا تھا۔ محمد بن قاسم کا راستہ روکنے کے لیے داہر نے راجہ راسل کو بھیجا۔ ابن قاسم نے عبداللہ بن علی کو اس کا مقابلہ کرنے کے لیے بھیجا۔ راجہ راسل کو شکست ہوئی۔ اس نے وفاداری کا عہد کیا۔ اب محمد بن قاسم کو راجہ سوکا، اور راجہ کاکا کے علاوہ راجہ راسل کا بھی ساتھ حاصل ہو گیا۔ راجہ راسل کی رہبری میں مسلم فوج دلدل عبور کر کے جے پور پہنچ گئی۔ راجہ داہر قلعہ سے نکل کر کھلے میدان میں لڑنے کے لیے نکلا۔ راجہ ڈیڑھ لاکھ کی فوج اور اعلیٰ ترین سامان حرب سے لیس تھا۔ جے پور کے شمال کی طرف کری واہ ندی کے جنوبی میدان میں گھمسان کا رن پڑا۔ مسلم فوج نے پہلے ہی خندقیں کھود کر مورچے بنا لیے تھے۔ تیر اندازوں نے ہندی فوج کو بہت نقصان پہنچایا۔ اتفاق سے ایک جلتا ہوا تیر داہر کے ہاتھی کی سونڈ کے ریشمی غلاف میں جا پھنسا اور اس کو آگ لگ گئی۔ داہر نے ہاتھی کا رُخ ندی کی طرف موڑا۔ یہاں ہاتھی جو آگ سے خوفزدہ تھا پانی میں لیٹ گیا۔ داہر ہاتھی سے اُتر کر گھوڑے پر سوار ہوگیا۔ ایک عرب شہسوار نے اس موقع کو غنیمت جانا اور تلوار کا ایسا وار کیا کہ داہر کا سر تن سے جدا ہوگیا۔ یہ واقعہ جون 713ء رمضان 93 ہجری میں پیش آیا۔ سندھی فوج کو شکست ہوگئی۔ جے سنگھ باپ کی موت کی خبر سن کر راوڑ میں قلعہ بند ہوگیا۔ اب محمد بن قاسم راوڑ کی طرف بڑھا۔ راجہ جے سنگھ شہر کو اپنے بھائی راجہ گوپی کے حوالے کر کے بہمن آباد میں جا چھپا۔ گوپی سنگھ بھی عربی فوج کے سامنے زیادہ دیر نہ ٹھہر سکا اور بھاگ نکلا اور دھلیلہ اور بہرور کے قلعے میں جا کر محصور ہوگیا۔ راوڑ کی فتح کے بعد محمد بن قاسم نے ایک ایک کر کے دھلیلہ، بہرور اور بہمن آباد کو فتح کرلیا۔ پھر یکے بعد دیگرے بابیہ اور اسکندہ کو بھی فتح کرلیا۔ ملتان کے راستے میں قلعہ سکر پڑتا تھا۔ جہاں حاکم بجرا کے نواسے نے ڈٹ کر مقابلہ کیا اور سترہ دن کی سخت لڑائی کے بعد آخر کار ہتھیار ڈال دیے۔ ملتان کے حاکم نے بھی اپنے آپ کو قلعے میں محصور کرلیا۔ کئی ہفتے گزرنے کے باوجود قلعہ فتح نہ ہوا۔ شہر سے باہر ایک نہر شہر میں داخل ہوتی تھی جس پر ان کا دار و مدار تھا۔ راجہ کسکا نے مشورہ دیا کہ اگر یہ پانی بند کر دیا جائے تو شہر والے ہتھیار ڈال دیں گے اور ایسا ہی ہوا۔ ملتان میں ایک بڑا مندر تھا۔ پجاریوں نے کہا کہ اگر ان کے مندر کو نہ چھیڑا جائے تو وہ ایک دفینے کا پتہ بتائیں گے جس میں اس مندر سے زیادہ دولت ہے۔ محمد بن قاسم نے شرط منظور کرلی اور دفینے سے حاصل ہونے والی رقم سے خلیفہ سے قرض لی گئی تمام رقم واپس کردی اور باقی حجاج کو ارسال کردی۔ ملتان کی فتح کے ساتھ ہی سندھ کے پورے علاقے پر مسلمانوں کا تسلط ہوگیا۔ ملتان کے بعد سندھ کی سرحد پر کاٹھیاواڑ کی ریاست سے ملحق بھلیمان کا قلعہ بھی فتح کرلیا۔

انتقال:

ملتان کی فتح کے بعد حجاج بن یوسف کا انتقال ہوگیا۔ اس کے چھ ماہ بعد 95 ہجری 715ء میں خلیفہ ولید بن عبدالملک بھی وفات پاگیا اور سلیمان بن عبدالملک خلیفہ بنا۔ حجاج بن یوسف نے سلیمان کی ولی

عہدی کی مخالفت کی تھی۔ اس لیے اس نے عہدہ سنبھالتے ہی حجاج کے دوستوں اور خاندان سے بدلہ لینے کے لیے انھیں چُن چُن کر قتل کر دیا۔ محمد بن قاسم کو بھی سلیمان نے معزول کر کے واپس بلا لیا اور قید میں ڈال دیا جہاں اذیتیں برداشت کرتے ہوئے دنیائے اسلام کے اس عظیم جرنیل نے 22 برس کی عمر میں وفات پائی۔ روایات میں آتا ہے کہ محمد بن قاسم نے معزولی کا حکم بڑے استقلال سے سنا اور یہ شعر پڑھا تھا۔ ''افسوس لوگوں نے ایک ایسے شخص کو ضائع کر دیا جو مصیبت میں ان کے کام آیا اور سرحدوں کی حفاظت کے لیے نہایت موزوں تھا۔''

سیرت و کردار

قدرت نے محمد بن قاسم کو اچھی صورت کے ساتھ اچھی سیرت سے بھی نوازا تھا۔ وہ اسلامی تعلیمات اور کردار کی جیتی جاگتی تصویر تھا۔ جذبۂ جہاد اپنی صحیح رُوح کے ساتھ اس کے دل میں موجزن تھا۔ وہ ایک بہادر سپاہی تھا اور رحم دل انسان تھا۔ بڑے سے بڑے دشمن کو فراخدلی سے معاف کر دیتا تھا۔ سندھ میں اس نے علاقوں ہی کو نہیں لوگوں کے دلوں کو بھی فتح کیا۔ انہی خوبیوں کے باعث بہت سے سندھیوں نے عربوں کے ساتھ مل کر اپنے ہم وطنوں کا مقابلہ کیا۔ جب محمد بن قاسم معزول ہو کر واپس جانے لگا تو اپنی پرائی کوئی آنکھ ایسی نہ تھی جو اشک بار نہ ہو۔ محمد بن قاسم نے اگرچہ بہت کم عمر پائی لیکن وہ سکندر اور نپولین جیسے غیر مسلم سپہ سالاروں سے زیادہ لائق تحسین ہے۔ اس نے اپنی دشمنوں کو صرف اقتصادی یا اخلاقی شکست نہ دی بلکہ ان کو اپنا بنا لیا۔ چنانچہ سندھ کے بہت سے لوگ خود بخود مسلمان ہو گئے۔ اسی طرح اگر محمد بن قاسم کی جنگی حکمت عملیوں کا جائزہ لیا جائے تو یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ اتنی کم عمری میں دشمن کی جنگی چالوں کو سمجھنا اور جوابی کارروائی کرنا اسی کا خاصہ تھا۔ محمد بن قاسم دورانِ جنگ کبھی سٹیج کے پیچھے سے کسی ڈرامے کے ڈائریکٹر کی طرح ہدایات نہیں دیتا تھا بلکہ میدانِ جنگ میں بنفسِ نفیس موجود ہوتا تھا۔ وہ خطرے کے نام سے ناواقف تھا۔ وہ دور اندیشی اور وقت شناسی کے ساتھ صبر و تحمل سے کام لیتا تھا۔ کوئی واقعہ یا دشمن کی عیاری اُسے جذباتی طور پر بھڑکانے میں کامیاب نہیں ہو سکتے تھے۔ ایک مردِ مومن صرف اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے میدانِ جنگ میں اُترتا ہے یہی مقصد محمد بن قاسم کی زندگی میں بھی نظر آتا ہے۔ محمد بن قاسم نے سندھ میں جو حکومت قائم کی تھی وہ امن و امان، رواداری اور عدل و انصاف کا بہترین نمونہ تھی۔ مسجدوں کے لیے اوقاف اور مندروں کے لیے جاگیریں مقرر کیں۔ محمد بن قاسم نے جو علاقے فتح کیے ان کے حاکموں سے اطاعت کا اقرار لے کر انھیں حکومت پر بحال رکھا۔ البتہ انتظام کو بہتر بنانے اور انصاف کو قائم رکھنے کے لیے ان کے ساتھ مسلمان سرداروں کو بھی مقرر کیا۔ محمد بن قاسم نے معاشی طور پر پسے ہوئے طبقات کی فلاح و بہبود پر سب سے زیادہ توجہ دی۔

رفقاء متوجہ ہوں

ان شاءاللہ

''قرآن اکیڈمی K-36 ماڈل ٹاؤن لاہور'' میں

مدرسین ریفریشر کورس

یکم تا 3 جون 2012ء

(بروز جمعہ نمازِ عصر تا بروز اتوار ظہر تک)

کا انعقاد ہو رہا ہے، زیادہ سے زیادہ مدرسین اس میں شامل ہوں،
موسم کی مناسبت سے بستر ہمراہ لائیں

المعلن: مرکزی شعبہ تربیت : (042)36316638-36366638
0333-4311226

پریس ریلیز 18 مئی 2012ء — حافظ عاکف سعید

ہم نے دہشت گردی کی جنگ میں امریکہ کا اتحادی بن کر ہزاروں انسانی جانوں کے علاوہ اربوں روپے کے وسائل جھونک دیئے لیکن بدنامی اور رسوائی کے سوا ہمارے ہاتھ کچھ نہیں لگا

دہشت گردی کی جنگ میں امریکہ کا اتحادی بن کر ہم سو پیاز کھا چکے ہیں اب سو جوتے کھا رہے ہیں۔ یہ بات تنظیم اسلامی کے امیر حافظ عاکف سعید نے قرآن اکیڈمی لاہور میں خطاب جمعہ کے دوران کہی۔ اُنھوں نے کہا کہ ہم نے اِس جنگ میں کئی ہزار انسانی جانوں کے علاوہ اربوں روپے کے وسائل جھونک دیئے لیکن بدنامی ذلت و رسوائی کے سوا ہمارے ہاتھ کچھ نہیں لگا۔ اُنھوں نے کہا کہ اِس جنگ میں امریکہ کا اتحادی بن کر ہم پرائی آگ کو اپنے آنگن میں لے آئے ہیں یہی وجہ ہے کہ ہم آج بھی دہشت گردی کی کارروائیوں میں بھسم ہو رہے ہیں لیکن امریکہ نیٹو اتحادی بلکہ تمام عیسائی دنیا ہمیں دوغلے پن اور ڈبل گیم کھیلنے کا طعنہ دے رہی ہے۔ اُنھوں نے مزید کہا کہ امریکہ افغانستان سٹریٹجک معاہدے کے بعد نیٹو سپلائی کی بحالی کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم امریکہ کو ایسا اسلحہ اور گولہ بارود افغانستان لے جانے کے لیے راہداری فراہم کر رہے ہیں جسے بالآخر ہمارے ہی خلاف استعمال ہونا ہے۔ اُنھوں نے کہا کہ تمام محب وطن قوتیں اور سیاسی و مذہبی جماعتیں نیٹو سپلائی کی بحالی کو قومی خودکشی کے مترادف گردانتی ہیں۔ اُنھوں نے ٹیپو سلطان کے قول کو دہراتے ہوئے کہا شیر کی ایک دن کی زندگی گیدڑ کی سو سالہ زندگی سے بہتر ہے۔

(جاری کردہ: مرکزی شعبہ نشر و اشاعت تنظیم اسلامی، پاکستان)

اسلاموفوبیا اور اُس کا تدارک

خلافت فورم میں فکر انگیز مذاکرہ

مہمانانِ گرامی:
ڈاکٹر ابصار احمد (سابق چیئرمین شعبہ فلاسفی پنجاب یونیورسٹی و صدر انجمن خدام القرآن)
ڈاکٹر منور اے انیس (معروف اسلامی سکالر و ڈائریکٹر سینٹر فار گلوبل ڈائیلاگ UMT)

میزبان: وسیم احمد **مرتب:** محمد بدر الرحمٰن

سوال: محترم ڈاکٹر صاحب امت مسلمہ کے مسائل پر ماشاء اللہ آپ کی گہری نظر ہے اور آپ علمی اور تحقیقی سرگرمیوں کے لیے دنیا بھر میں سفر کرتے ہیں، یہ فرمائیں کہ اسلاموفوبیا کو آپ کیسے Define کریں گے، نیز اسلاموفوبیا کی مختصر تاریخ ہمارے ناظرین کے لیے بیان فرمائیں؟

ڈاکٹر منور اے انیس: اسلاموفوبیا کی اصطلاح درحقیقت 9/11 کے بعد دُنیا کے منظر نامہ پہ آئی ہے۔ اسلاموفوبیا سے مراد وہ عوامل یا محرکات ہیں جو اسلام اور مسلمانوں کے خلاف بروئے کار لائے جاتے ہیں یعنی کوئی بھی ایسا عمل جو نعوذ باللہ اسلام کو نیچا دکھانے اور اسلامی اقدار کی توہین کرنے پر مرکوز ہو، اُسے ہم جدید اصطلاح میں اسلاموفوبیا کا نام دیں گے۔ اس کا مرکزی خیال درحقیقت اسلام اور مسلمانوں سے نفرت نیز اسلامی تعلیمات سے عداوت کے ساتھ ساتھ قرآن اور حضور اکرم ﷺ کی شان میں گستاخی اور نازیبا الفاظ کا استعمال شامل ہے۔ لیکن اگر آپ تاریخ کا مطالعہ فرمائیں تو پتہ چلتا ہے کہ یہ مغرب کی جانب سے کوئی نئی بات نہیں ہے۔ صلیبی جنگوں سے پہلے بھی اس قسم کی بیہودہ حرکات کا حوالہ ملتا ہے۔ درحقیقت صلیبی جنگوں کا آغاز بھی اسی قسم کے پراپیگنڈے سے کیا گیا تھا۔ جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ خلافت عثمانیہ کے عروج کے بعد جب اسلام مشرقی یورپ بالخصوص البانیا، بوسنیا وغیرہ میں پھیلنا شروع ہوا تو وہاں کے مسلمانوں کو مسلم کی بجائے ترک کہا جاتا تھا۔ یعنی اسلام دشمنی کا اندازہ آپ اس بات سے ہی لگا سکتے ہیں کہ جب حضور اکرم ﷺ کا وہاں ذکر خیر ہوتا تھا تو یورپی عیسائی آپ کو عرب پیغمبر کی بجائے ترک پیغمبر کہہ کر مخاطب کرتے تھے۔ اسلام دشمنی کی تاریخی بنیاد آپ دو واقعات کے ساتھ جوڑ سکتے ہیں۔ اوّل صلیبی جنگیں اور دوم خلافت عثمانیہ کا عروج اور مشرقی یورپ میں اسلام کی آمد۔

سوال: مغرب میں اسلاموفوبیا کی بہت سی صورتیں نظر آتی ہیں جس میں قرآن اور صاحب قرآن نبی کریم ﷺ کی ذات گرامی اور بالخصوص آپ کے کردار کو نشانہ بنایا جاتا ہے۔ آپ کے خیال میں اس عمل کے پیچھے کون کون سے محرکات شامل ہیں؟

ڈاکٹر ابصار احمد: ڈاکٹر منور اے انیس صاحب کی بات کو بڑھاتے ہوئے میں عرض کروں گا کہ اسلاموفوبیا کی اصطلاح آج سے 100 سال پہلے ایک فرانسیسی مصنف نے اپنی کتاب میں استعمال کی تھی اور عصر جدید میں 9/11 کے واقعہ کے بعد یہ اصطلاح بہت نمایاں انداز میں منظر عام پر آئی ہے۔ مغرب کی اسلام اور مسلمانوں سے دشمنی کی کئی وجوہات ہیں جس میں صلیبی جنگوں کے پس منظر میں ایک مخصوص ذہنیت اور اس کا تسلسل ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کی ماضی میں ایک تہذیب کی حیثیت سے شاندار روایات موجود ہیں اُس وجہ سے بھی مغرب کی اسلام سے ایک پرخاش اور دشمنی کا معاملہ نظر آتا ہے۔ اب جب کہ جدید دور میں یورپ نے مسلم لیبر کو اپنے ممالک میں کام کی غرض سے بلانا شروع کیا تھا تو ظاہر ہے کہ یورپی ممالک میں جانے والے مسلمان وہاں اپنے اسلامی تشخص اور روایات کو بھی ساتھ لے کر گئے تھے۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ یورپ آزادی رائے اور کلچرل کثرتیت کا جو راگ الاپتا ہے، اُس کے تحت مسلمانوں کو بھی مکمل مذہبی آزادی اور رائے کے اظہار کا موقع ملنا چاہیے تھا تا کہ وہ اپنا اسلامی تشخص برقرار رکھ سکتے۔ لیکن اس کے برخلاف مغرب کا اسلام اور مسلمانوں سے نفرت کا معاملہ اُبھر کر سامنے آیا ہے۔ اور بالخصوص قرآن کی عظمت اور حضور اکرم ﷺ کی ذات پاک کو ایک مقصد کے تحت نشانہ بنایا گیا ہے حالانکہ حضور اکرم ﷺ کی ذات گرامی بے داغ ہے جس کا حوالہ خود بہت سے نو مسلم بلکہ غیر مسلم مصنفوں نے بھی اپنی بے شمار کتب میں دیا ہے کہ آپ ایک عظیم شخصیت کے ساتھ ساتھ ایک عظیم لیڈر بھی تھے۔ آپ نے مختصر ترین وقت میں سرزمین حجاز میں ایک ہمہ گیر انقلاب برپا کر دیا تھا۔ لہٰذا انھی باتوں کی بنا پر آپ کو مغرب کی بیمار ذہنیت نے ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت نشانہ بنایا ہے۔ نہایت افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ نا صرف عام لوگ بلکہ عیسائی مذہبی لیڈروں نے بھی اس مشن میں بہت برا کردار ادا کیا ہے۔ مثال کے طور پر ٹیری جونز اور وین ساپ وغیرہ نے جس طرح قرآن کی بے حرمتی کی ہے اور حضور اکرم ﷺ کے جس طرح توہین آمیز خاکے بنائے گئے ہیں۔ وہ اُن لوگوں کی اسلام دشمن سوچ کی عکاسی کرتی ہے۔

سوال: فلوریڈا کے پادری ٹیری جونز نے دوبارہ قرآنِ پاک کو جلانے کی جو ناپاک جسارت کی ہے۔ اس قسم کی حرکات پر جب مسلمانوں کی جانب سے سخت قسم کا ردعمل سامنے آتا ہے تو اُس پر مغرب کی جانب سے مسلمانوں کے خلاف سخت قوانین اور نفرت کا مزید مظاہرہ کیا جاتا ہے۔ آپ کی نظر میں مغرب کا یہ رویہ آخر کس بات کی ترجمانی کرتا ہے؟

ڈاکٹر منور اے انیس: پادری ٹیری جونز کی جانب سے قرآن پاک کو دوبارہ نذرِ آتش کرنے کی ناپاک جسارت درحقیقت ایران میں ایک پادری (جو کہ آج سے پندرہ سال پہلے مسلمان تھا) کے ساتھ ہونے والے سلوک

> اسلام کے حوالے سے مغرب جس تہذیبی اخلاقیات کا مظاہرہ کر رہا ہے
> وہ درحقیقت منافقانہ رویہ ہے

کے ردعمل کے طور پر سامنے آئی ہے۔ اب جہاں تک مغربی رویہ کا تعلق ہے تو میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہ مغرب کا منافقانہ رویہ ہے۔ دیکھیے سلمان رُشدی نے Satanic Verses کے نام سے جو کتاب لکھی تھی اس کے بہت سے نسخے مسلمانوں کی جانب سے لندن میں جلائے گئے تھے جس پر مغرب کی جانب سے مسلمانوں پر کتاب کا دشمن ہونے کا الزام لگا تھا اور اس بات کو لے کر مغربی میڈیا نے بہت اُچھالا تھا۔ جبکہ درحقیقت تاریخی لحاظ سے مسلمانوں کی تہذیب کتاب اور علم کی تہذیب ہے۔ قرآن کی پہلی وحی کا ابتدائی لفظ ہی ''اقرأ'' ہے۔ اس لحاظ سے کتاب کو جلانے والے مسلمان نہیں بلکہ خود عیسائی ہیں کیونکہ ٹیری جونز جیسے لوگوں نے قرآن کو نذرِ آتش کرنا اپنا پیشہ بنا لیا ہے اب وہ مغربی مفکر اور دانشور کہاں ہیں جو پہلے چیخ چیخ کر مسلمانوں کو کتاب جلانے والے جیسے القابات دیا کرتے تھے۔

مغرب کی جانب سے جس تہذیبی اخلاقیات کا مظاہرہ کیا جاتا ہے وہ درحقیقت منافقانہ رویہ ہے۔

سوال : آپ کے خیال میں اسلاموفوبیا دورِ حاضر میں مسلمانوں کے لیے کتنا نقصان دہ ہے، کیا یہ نسل پرستی کی ہی ایک قسم ہے؟

ڈاکٹر منور اے انیس : دورِ حاضر میں وہ مسلمان جو مغربی ممالک میں رہ رہے ہیں خاص کر مغرب میں پیدا ہونے والی نئی نسل کے لیے اسلاموفوبیا نہ صرف سماجی اور ثقافتی لحاظ سے بلکہ معاشی لحاظ سے بھی انتہائی نقصان دہ ہے۔ کیونکہ مسلمانوں کے ساتھ مغرب میں نا صرف نوکریوں میں امتیازی سلوک روا رکھا جاتا ہے بلکہ تعلیمی اور معاشی ترقی کے مواقع بھی انتہائی کم ہیں۔ نیز مسلمانوں پر مغرب میں اپنی ثقافتی اور شخصی اظہار کے حوالے سے مزید سے مزید قدغنیں لگائی جارہی ہیں۔ مسلمانوں کو مغرب میں ایک جاسوس کی حیثیت سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ یہ لوگ مغرب میں آ کر نہ صرف ہمارے وسائل استعمال کرتے ہیں بلکہ ہماری جاسوسی کرتے ہوئے ہمارے ہی وسائل کو ہمارے خلاف استعمال کرتے ہیں۔ مغرب کے دُہرے معیار کی تازہ ترین مثال پچھلے دنوں فرانس میں مسلمانوں کے قبرستان میں کچھ قبروں کی شخصی آزادی کے نام پر بے حرمتی ہے۔ اگر پوری دنیا میں نسلی یا مذہبی منافرت کے قوانین کے معیار کو دیکھا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ ہر جگہ دوہرا معیار ہے۔ کیا مغربی میڈیا مسلمانوں اور اسلام کے خلاف پھیلنے والی نفرت کی اُسی طرح تشہیر کرتا ہے جیسے کہ سامی نسل کے خلاف نفرت کی روک تھام کی تشہیر کرتا ہے۔

ایک طرف تو مغرب کی جانب سے آزادی رائے کا ڈھنڈورا پیٹا جاتا ہے۔ جبکہ دوسری طرف مغرب کے کئی ممالک میں آپ یہودیت کے خلاف بات تک نہیں کرسکتے ہیں۔ آسٹریا، آسٹریلیا، فرانس اور کینیڈا وغیرہ میں تنقید کرنا تو دور کی بات ہے آپ یہودیت اور ہولوکاسٹ پر بات تک نہیں کرسکتے ہیں لیکن جب مسلمان اپنی مذہبی اقدار اپنی مذہبی کتاب اور اپنے پیارے نبی ﷺ کے خلاف ہونے والی نفرت کے حوالے سے قانون سازی کی بات کرتے ہیں تو فوراً آزادی رائے اور شخصی آزادی کے نعرے لگنا شروع ہوجاتے ہیں۔ یوں مغرب کی جانب سے اپنا مکمل منافقانہ رویہ کھل کر سامنے آجاتا ہے۔

سوال : اسلاموفوبیا کی پرانی شکل استشراق درحقیقت ایک علمی تحریک تھی۔ آپ کے خیال میں کیا موجودہ اسلاموفوبیا اُسی علم استشراق کی ایک قسم ہے یا پھر اس کا پس منظر کچھ اور ہے؟

ڈاکٹر ابصار احمد : درحقیقت ''علم استشراق'' علمی تحقیق کے حوالے سے ایک عمدہ روایت تھی، جس میں ہینری کوربن، لی برگ وغیرہ جیسے لوگوں نے مسلمانوں کی مذہبی وثقافتی اقدار کو ایک علمی نقطہ نظر سے سمجھنے کی کوشش کی تھی۔ جس میں لسانیات یعنی فلولوجی اور ثقافتی روایات وغیرہ کا ایک بامقصد طریقہ سے مطالعہ سامنے آتا تھا۔ بدقسمتی سے بعد کے دور میں علم استشراق کو مسلمانوں کے خلاف استعمال کیا جانے لگا۔ جو بڑھتے بڑھتے گزشتہ پچاس ساٹھ سالوں میں اپنے عروج کو پہنچا ہے جس میں قابل ذکر نام برنارڈ لیوس اور ڈینیل پائپس جیسے اُن یہودیوں کا ہے جو کہ مسلمانوں سے بغض وحسد کے حوالے سے دُنیا میں کافی نمایاں ہیں۔ اِن لوگوں نے پرانی تحریک استشراق کو بالکل مسخ کرکے ذاتی بغض وعناد کے اظہار میں تبدیل کرکے رکھ دیا ہے، جس میں مسلمانوں اور اسلام کے خلاف زہر نا کی کھلم کھلا سامنے آتی ہے۔ اِس کے ساتھ ساتھ مغرب میں زینوفوبیا یعنی دوسروں کے ساتھ نفرت کا سلسلہ کافی پرانا چلا آرہا ہے لیکن حالیہ 9/11 کے واقعہ کو زبردستی مسلمانوں کے ساتھ جوڑا جارہا ہے۔ اُسے میں مسلمانوں کے حوالے سے جوڑنا اس لیے بھی مناسب نہیں سمجھتا ہوں کہ 9/11 کا معاملہ درحقیقت یہودیوں اور نیوکان New Cons کا وہ بھیانک سازشی منصوبہ تھا جس کا مقصد مسلمانوں کے مادی وسائل پر نا صرف قبضہ کرنا تھا بلکہ وسط ایشیا کے وسائل پر قبضہ جمانے کا بھی منصوبہ تھا۔ لہٰذا اگر اس سارے منظر نامے کو پیش نظر رکھا جائے تو یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ علم استشراق کو بھی اس خوفناک جنگی منصوبے میں استعمال کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ مغرب نے کچھ ایسے لوگوں کو بھی اسلاموفوبیا کے لیے استعمال کیا ہے جنہوں نے مذہبِ اسلام سے بغاوت کی ہے۔ جن میں قابل ذکر نام وفا سلطان، ابن ورّاق اور ایک خاتون عیان حرس علی کا ہے ان لوگوں نے جس طریقہ سے اسلام کو نشانہ بنایا ہے اور نعوذ باللہ توہین آمیز خاکے بنائے ہیں اس سے بھی اسلاموفوبیا کو مزید تقویت ملی ہے۔ اسلاموفوبیا کی اصطلاح مسلمانوں کی بجائے خود غیر مسلموں کی دی ہوئی ہے۔ ''فوبیا'' ظاہری طور پر کسی بھی قسم کے ذہنی عارضے میں مبتلا شخص کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔

مغرب میں آزادی رائے کا ڈھنڈورا تو خوب پیٹا جاتا ہے
لیکن یہودیت اور ہولوکاسٹ پر بات کرنا جرم ہے

لہٰذا اسلام کے خلاف اُن لوگوں کی بڑھتی ہوئی نفرت کے سبب اُنھوں نے خود اِسے اسلاموفوبیا کا نام دیا ہے۔

سوال : اسلام کے لغوی معنی تو امن کے ہیں اِن لوگوں نے امن پسند دین اسلام کو فوبیا کیسے بنالیا؟

ڈاکٹر ابصار احمد : درحقیقت اسلام کے درخشاں ماضی اور مسلمانوں کی روشن روایت کو اِن غیر مسلموں نے کبھی بھی دِل سے تسلیم نہیں کیا تھا۔ لہٰذا سوویت یونین کے ٹوٹنے کے بعد وہ جان چکے تھے کہ اب واحد اسلام ہی ہمارا حریف بچا ہے، جسے ہم نے ہر صورت میں ختم کرنا ہے جیسے ھنگٹنگٹن نے اپنی کتاب ''تہذیبوں کے ٹکراؤ'' میں واضح الفاظ کے ساتھ یہ ذکر کیا ہے کہ ابھی اسلام اور مغرب کی تہذیبوں کے درمیان ایک خونی ٹکراؤ ہونا باقی ہے۔ جیسے چینی تہذیب ہے اُسی طرح اسلامی تہذیب بھی دُنیا میں اپنا ایک اہم مقام اور وقار رکھتی ہے۔ پچھلے دس سالوں میں انٹرنیٹ نے بھی اسلاموفوبیا کو پھیلانے میں ایک اہم کردار ادا کیا ہے جس میں اسلام اور مسلمانوں کی توہین کے ساتھ ساتھ آنحضرت ﷺ کی شان میں گستاخانہ الفاظ کے علاوہ توہین آمیز خاکوں کی تشہیر میں ایک گھناؤنا کردار ادا کیا ہے۔ اسلام تو تمام دُنیا کے مذاہب کو مکمل آزادی کا حق دیتا ہے کیونکہ اسلام کبھی بھی تلوار کے زور پر دُنیا میں نہیں پھیلا ہے بلکہ تاریخ گواہ ہے کہ اسلام بزرگانِ دین اور عادل بادشاہوں کے طرزِ عمل سے متاثر ہو کر دُنیا میں پھیلا ہے۔ مغرب کو اِن تمام معاملات کو بھی انصاف کی نگاہ سے دیکھنا چاہیے۔ مثال کے طور پر خود امریکہ میں مساجد اور میناروں کی تعمیر کے معاملے میں روڑے اٹکائے جاتے ہیں۔ اسی طرح مساجد میں اذان دینے کے معاملے میں پابندی لگائے جانے کی باتیں ہوتی ہیں۔ یہ وہ معاملات ہیں جو وہاں رہنے والے مسلمانوں کے حقوق کی کھلم کھلا خلاف ورزی ہے۔

سوال : مغربی ممالک میں مقیم مسلم امہ کی اشرافیہ آپ کے خیال میں کیا اسلاموفوبیا اور اُس کے اثرات و نتائج سے مکمل باخبر ہے؟

ڈاکٹر منور اے انیس : جی نہیں! میرے خیال میں اسلامی ممالک کا جو میڈیا ہے اس پر اسلاموفوبیا کی تشہیر انتہائی کم ہے خاص کر پاکستانی میڈیا اسلاموفوبیا کے حوالے سے کبھی بھی تشہیر نہیں کرتا ہے۔ اسی طرح وہ مسلمان جو مغربی ممالک میں اپنی زندگیاں گزار رہے ہیں۔ وہ بھی اسلاموفوبیا کے حوالے سے کم علمی کا شکار ہیں۔ نہایت افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ مغربی میڈیا کا تو کیا رونا خود

مسلم میڈیا اسلاموفوبیا کے حوالے سے ایک مکمل خاموش تماشائی کا کردار ادا کر رہا ہے۔آپ صرف اس بات سے ہی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ہمیں اسلاموفوبیا کی خبریں سوشل نیٹ ورکنگ کی ویب سائیٹوں سے ملتی ہیں۔اس حوالے سے اسلاموفوبیا واچ اِسلاموفوبیا ٹوڈے اور کونسل آف امریکن اسلامک ریلیشن قابل ذکر ہیں۔اسلاموفوبیا کے واقعات اب تقریباً روز بروز رونما ہو رہے ہیں۔

سوال : اظہارِ رائے کی آزادی کے حوالے سے کیا کوئی ضابطہ اخلاق نہیں بنانا چاہیے یا ہر ایک فرد کو یہ آزادی حاصل ہے وہ جو چاہے اور جس کے خلاف چاہے بولتا رہے؟

ڈاکٹر ابصار احمد: آزادی رائے کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ کوئی شخص کسی بھی قسم کی مغلظات کسی بھی شخصیت کے خلاف بکنا شروع کر دے یا کسی بھی مذہب کی مقدس ہستیوں کو ہدف تنقید بنانا شروع کر دے۔لہٰذا مغرب کو اس بات کا خاص خیال رکھنا چاہیے کہ وہ دوسرے مذاہب کے لوگوں کی دِل آزاری نہ کرے کیونکہ یہ ایک غیر اخلاقی طرزِ عمل ہے۔اب جب کہ مسلمانوں کی ایک بڑی لیبر فورس مغرب میں خدمات سرانجام دے رہی ہے نیز امریکہ میں ڈاکٹرز اور انجینئرز کی ایک بہت بڑی تعداد خدمات سرانجام دے رہے ہیں،

اسی طرح مغرب کی یونیورسٹیوں میں مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد تدریسی ذمہ داریاں سرانجام دے رہی ہے، اس حوالے سے مغرب کی جو قدیم روایتی مسلم دشمنی کا پہلو ہے اُس میں اب مناسب مثبت تبدیلی کا عمل پیدا ہونا چاہیے۔کیونکہ جب ہم مغربی رویہ کی بات کرتے ہیں تو ہمیں مغرب کی جانب سے کافی تضاد دیکھنے کو ملتا ہے یعنی ایک طرف علمی میدان میں تو ترقی کی منازل طے ہوتی ہوئی دکھائی دیتی ہیں جبکہ دوسری طرف گوانتانا موبے جیل میں قید مسلمان قیدیوں کے ساتھ ناروا سلوک روا رکھا جاتا ہے۔ نیز افغانستان و عراق میں امریکہ نے جس طریقہ سے مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلی ہے، اُس کے نتیجہ میں اب مسلمانوں کو بھی اپنے اتحاد و تنظیم پر خصوصی توجہ دینا ہوگی کیونکہ اب معاملہ صرف OIC تک نہیں رہا ہے کہ صرف نشستند گفتند اور برخاستند والا معاملہ ہو۔ بلکہ اب واقعتاً مسلمانوں میں ایک اُمید اور جوش پیدا ہونا چاہیے کہ اب ہم نے دُنیا میں اپنے وقار کو بحیثیت مسلمان بلند کرنا ہے اور یہ اُسی وقت ممکن ہے کہ جب ہمارے اندر مسلمان بن کر جینا اور مسلمان بن کر مرنے والی آرزو پیدا ہو۔ضرورت اس امر کی ہے کہ اب عالمی سطح پر ایک ایسا ماڈل اسلامی ملک معرضِ وجود میں لایا جانا چاہیے جہاں تمام عالم پر یہ واضح کیا جاسکے کہ اسلام کا ایک اپنا واضح معاشرتی، معاشی اور سیاسی نظام ہے جو کہ تمام عالم کے لیے فلاح وخوشحالی کا ضامن ہے۔مغرب جو کہ تمام دُنیا پر اپنے آپ کو مقدم جانتا ہے اُس کی قلعی نہ اس طرح سے صرف تمام دُنیا پہ کھل جائے گی بلکہ مغرب کے نظام میں موجود بڑے نقائص پائے جاتے ہیں جس کا واضح اظہار خود اُس کے مفکر و دانشور بھی بارہا کر چکے ہیں مثلاً آج کل کا جدید انسان روحانی سطح پر مکمل کھوکھلا ہو چکا ہے، اسلامی نظام سے اِس کا مداوا بھی کیا جاسکے گا۔

عالمی سطح پر ایک ایسا ماڈل اسلامی ملک معرضِ وجود میں لایا جانا چاہیے
جہاں تمام عالم پر یہ واضح کیا جاسکے کہ اسلام کا معاشرتی، معاشی اور سیاسی نظام
پوری انسانیت کے لیے فلاح وخوشحالی کا ضامن ہے

سوال: امریکہ اور یورپ میں جہاں قانون کی بہت عملداری ہے وہیں پر ہم دیکھتے ہیں کہ فرانس میں مسلمانوں کی قبروں کو مسخ کرنے کا جو حالیہ واقعہ سامنے آیا ہے یا قرآن پاک کو جلانے کی ناپاک جسارت دوبارہ سے ہوئی ہے۔کیا اس سلسلے میں کوئی ضابطہ اخلاق نہیں ہونا چاہیے؟

ڈاکٹر منور اے انیس : جہاں مغرب آج مختلف معاشرتی نظاموں کی بات کرتا ہے وہاں مجھے اس بات پر بھی بہت حیرانی ہے کہ مغرب کا بائیں بازو کا لبرل طبقہ بھی مختلف معاشروں کے نظام سے نا صرف عملی بلکہ فکری سطح پر بھی انکاری ہو رہا ہے قرآن میں جیسے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ’’ہم نے انسان کو ایک مرد اور عورت سے پیدا کیا ہے اور تمہیں مختلف گروہوں میں تقسیم کیا تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو اور اللہ کی نظر میں تمہارے اندر جو امتیاز ہے وہ تمہارا تقویٰ ہے۔‘‘ یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا بھی مختلف معاشرتی نظاموں کے قیام میں ہے۔جبکہ اصل چیز نیکی اور اخلاقیات میں مضمر ہے۔یعنی اگر واقعتاً آپ میں انسانیت ہے تو اسلاموفوبیا کے حوالے سے عمل کرنا تو دور کی بات آپ اُس کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتے ہیں۔تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ یہودیوں کے خلاف جتنے بھی اقدامات کیے گئے ہیں وہ خود عیسائیوں کی طرف سے ہوئے ہیں نہ کہ مسلمانوں کی طرف سے۔جب عیسائیوں نے اسپین سے مسلمانوں کو بے دخل کیا تو اسپین کے یہودی وہاں سے مسلمانوں کے ممالک الجزائر، مراکش وغیرہ چلے گئے تھے۔آج ترکی میں جو یہودی آباد ہیں وہ اُسی وقت کے یہودی ہیں جو اسپین سے ہجرت کر کے ترکی میں داخل ہوئے تھے۔ درحقیقت ہم مسلمان آج رہنما ہونے کی بجائے غلام بن چکے ہیں۔ہمارے رویے معذرت خواہ بن چکے ہیں۔ہمارے اندر آگے بڑھنے کی جستجو تقریباً ختم ہو چکی ہے۔اگر ہم اسلاموفوبیا کے خلاف کچھ کرنا چاہتے ہیں تو اُس کے لیے سب سے پہلے ہمیں دُنیا میں اپنی شناخت بنانا ہوگی جیسے علامہ اقبال نے اپنی شاعری میں مسلمانوں کے لیے خودی اور خود شناسی وغیرہ کے الفاظوں کا استعال کیا ہے۔لہٰذا سب سے پہلے اسلاموفوبیا کے خاتمہ کے لیے ہمیں ایک تو میڈیا کے ذریعہ اس کے خلاف ایک پُرزور تشہیری مہم کا آغاز کرنا چاہیے اور دوسرے عالمی سطح پر انسانی حقوق کے حوالے سے اسلاموفوبیا کے خلاف اپنی آواز بلند کرنی چاہیے۔

سوال: اسلاموفوبیا سے کی نجات کے لیے آپ مسلم اُمہ کو کیا طریقہ کار اپنانے کی نصیحت کریں گے؟

ڈاکٹر ابصار احمد : سب سے پہلے تو ہمیں قرآن اور سنت رسول ﷺ کی طرف لوٹنا ہوگا جب تک بقول اقبالؒ ’’قرآن میں ہو غوطہ زن اے مرد مسلمان‘‘ والی کیفیت اور اسلامی تشخص ہمارے اندر پیدا نہیں ہوگا تب تک ہم دنیائے عالم میں اپنی شناخت نہیں بنا سکتے ہیں۔بظاہر دُنیا میں کئی اسلامی ممالک ہیں مگر نہ تو اُن کے اندر کوئی اسلامی جذبہ موجود ہے اور نہ ہی اپنے اندر وہ کوئی اسلامی شناخت رکھتے ہیں۔لہٰذا ہمیں دُعا کرنی چاہیے کہ تمام مسلمانوں کے اندر اتحاد و یگانگت پیدا ہو، اسی طرح علمی سطح پر بھی ہمیں بہت کام کرنے کی ضرورت ہے، کچھ لوگ اس سلسلے میں کافی جانفشانی سے رات دِن کام بھی کر رہے ہیں جس میں دو نام پروفیسر شاہد عالم اور پروفیسر شبیر اختر کے ہیں جو کہ امریکہ میں درس وتدریس کے شعبہ سے وابستہ ہیں۔یہی وہ لوگ ہیں جو نہ صرف امریکی نیوکون New cons بلکہ عالمی صیہونی سازشوں کو بھی تمام دنیا کے سامنے بے نقاب کر سکتے ہیں اور اعلیٰ علمی سطح پر اسلام کی حقانیت ثابت کر سکتے ہیں۔

قارئین اس پروگرام کی ویڈیو تنظیم اسلامی کی آفیشل ویب سائیٹ www.tanzeem.org پر خلافت فورم کے عنوان سے اور
Youtube.com/khilfatforum
پر دیکھی جاسکتی ہے۔

judicial verdict and is ready to go to any limit in such defiance, including taking the risk of bringing down the constitutional structure itself, then in the final analysis (write here what is left in downloading the text)----- people in matters concerning enforcement of their will. The recent phenomena known as the Arab Spring is too fresh to be ignored or forgotten. Going back a little, when told about the Pope's anger over the ruthless Stalinist suppression of dissent within Russia Joseph Stalin, dismissively made a scornful query, "The Pope? How many divisions does he have?" History tells us that the will of the Russian people ultimately prevailed over the Soviet Union's army of countless divisions. A page from our own recent history reminds us that the Chief Justice of Pakistan did not possess or control any division when he refused to obey the unconstitutional dictates of General Pervez Musharraf, who commanded quite a few divisions, and still emerged victorious with the help of the people. The lesson to be learnt is that if the cause is constitutional and just then the strength and support for the same is received from the people at large who are the ultimate custodians of the constitution. I am not too sure as to how many divisions would a population of over 180 million make! The respondent is the Chief Executive of our Federation who has openly and brazenly defied the Constitutional and legal mandate regarding compliance of and obedience to this court's judgments and orders. The following words of Justice Louis Brandies of the United States Supreme Courts in the case of Olmstead v. United States (227 U.S. 438,485) seem to be quite apt to a situation like this: "In a government of laws, existence of the government will be impaired if it fails to observe the law scrupulously. Our government is the potent, the omnipresent teacher. For good or for ill, it teaches the whole people by its example. Crime is contagious. If the government becomes a law breaker, it breeds contempt to law; it invites every man to become a law unto himself; it invites anarchy." The respondent is our elected representative and our prime minister and in his conviction lies our collective damnation. This surely calls for serious introspection. I believe that the proposed judgment authored by my learned brother Nasirul Mulk, J is a step towards the right direction as it kindles a flame of hope for a future for our nation which may establish a just and fair order, an order wherein the law rules and all citizens are equal before the law." Faatabiru Ya oolul Absar (Al Quran).

ضرورت رشتہ

☆ آرائیں فیملی کو اپنی بیٹی، عمر 25 سال، تعلیم ایم اے عربی، الہدیٰ سے ایک سالہ کورس، کے لئے دینی مزاج کے حامل اعلیٰ تعلیم یافتہ، تحریکی لڑکے کا رشتہ درکار ہے۔ برائے رابطہ: 0321-8441892

☆ آرائیں فیملی کو اپنی بیٹیوں، عمر 38 سال، تعلیم ایم ایس سی باٹنی، پرائیویٹ کالج میں پرنسپل، عمر 33 سال، تعلیم ایم ایس سی نفسیات، پرائیویٹ سکول میں ٹیچر کے لئے دینی مزاج کے حامل برسرروزگار لڑکوں کے رشتے درکار ہیں۔
برائے رابطہ: 042-35005438، 0321-6569110

☆ لاہور میں رہائش پذیر قریشی فیملی کو اپنی بیٹی، عمر 26 سال، ایم اے انگلش کے لیے دینی مزاج کے حامل، لاہور میں مقیم ماسٹر ڈگری ہولڈر لڑکوں کے والدین رابطہ کریں۔ برائے رابطہ (پاکستان): 0333-4415176
(سعودی عرب): 00966-507505196

دعائے مغفرت کی اپیل

☆ تنظیم اسلامی پنجاب شرقی کے امیر حلقہ ناصر بھٹی کے سالا وفات پاگئے

☆ تنظیم اسلامی ہارون آباد کے رفیق اختر صاحب کی والدہ وفات پاگئیں

☆ تنظیم اسلامی حلقہ مالاکنڈ کے رفیق عارف خان کے سسر وفات پاگئے

اللہ تعالیٰ مرحومین اور مرحومہ کی مغفرت فرمائے۔ قارئین ندائے خلافت اور رفقاء سے بھی ان کے لئے دعائے مغفرت کی اپیل ہے۔

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے زیر اہتمام

دورانِ تعطیلات مڈل، میٹرک اور انٹرمیڈیٹ کے طلبہ کی دینی و اخلاقی تعلیم و تربیت کے لیے

سمر کیمپ

کا انعقاد کیا جا رہا ہے، جس میں مندرجہ ذیل موضوعات شامل ہوں گے

- قرآن کریم کے ایک منتخب حصہ کا مطالعہ
- حدیث رسول ﷺ کے ایک منتخب حصہ کا مطالعہ
- سیرۃ النبی و احوالِ صحابہ......تعارف
- اسلامی طرزِ زندگی کا جامع مطالعہ و تطبیق (Application)
- مسلمان نوجوانوں کے لیے دورِ جدید کے بعض اہم موضوعات (ورکشاپ)
- تعلیمی و تفریحی سرگرمیاں

دورانیہ: 4 جون تا 13 جولائی 2012ء (ان شاءاللہ)

وقت: صبح 8:30 تا 11 بجے بمقام: قرآن اکیڈمی، 36 کے ماڈل ٹاؤن، لاہور

برائے رابطہ: شعبہ تحقیق، مرکزی انجمن خدام القرآن
36، کے ماڈل ٹاؤن، لاہور فون: 042-5869501-03
شہرام اقبال: 0321-4406582

Mohammad Fahim

Pity the Nation

Adding an additional note to the historic seven member Supreme Court bench's judgment, the Honorable judge, Justice Asif Saeed Khosa has added a treasure of moral dimension to the legal context of the case of the Prime Minister's conviction which will go down in the history of this hapless nation for the ages to come if our coming generation ever wished to get luminosity from it. Quoting Khalil Gibran, the learned Judge has unfolded the collective doom of this unfortunate nation ruled mostly by the demagogues rather than democrats. The honorable judge, with an apology to Gibran has added as follow: "Pity the nation that achieves nationhood in the name of religion but pays little heed to truth, righteousness and accountability, which are the essence of every religion. Pity the nation that proclaims democracy as its polity but restricts it to queuing up for casting of ballots only and discourages democratic values. Pity the nation that measures honor with success and respect with authority, that despises sublime and cherishes mundane, that treats a criminal as a hero and considers civility as weakness and that deems a sage a fool and venerates the wicked. Pity the nation that demands justice for all but is agitated when justice hurts its political loyalty. Pity the nation whose servants treat their solemn oaths as nothing more than a formality before entering upon an office. Pity the nation that elects a leader as a redeemer but expects him to bend every law to favor his benefactors. Pity the nation whose leaders seek martyrdom through disobeying the law than giving sacrifices for the glory of law and who see no shame in crime.

Pity the nation that is led by those who laugh at the law little realizing that the law shall have the last laugh. Pity the nation that launches a movement for rule of law but cries foul when the law is applied against it bigwigs, that reads judicial verdicts through political glasses and that permits skills of advocacy to be practiced more vigorously outside the courtroom than inside. Pity the nation that punishes the weak and the poor but is shy of bringing its high and mighty to book. Pity the nation that clamors for equality before law but has selective justice close to its heart. Pity the nation that thinks from its heart and not from its head.

Indeed, pity the nation that does not discern villainy from nobility. The honorable Judge further says, "I must clarify that I do not want to spread despair and despondency and it may be appreciated that no reform or improvement is possible until the ills and afflictions are identified and addressed. The respondent's conduct in this case regrettably appears to be symptomatic of a bigger malady, which if allowed to remain unchecked or uncured, may overwhelm or engulf all of us as a nation………" After quoting a few words from John Donne's allegory and a few more sentences from that of Khalil Gibran the Honorable Judge is further putting the whole peril before us in the following words. "I deem it important and relevant to explain here the conceptual basis of the law regarding contempt of court. The power to punish a person for committing contempt of court is primarily a power of the people of this country to punish such person for contemptuous conduct or behavior displayed by him towards the courts created by the people for handling the judicial functions of the state and such power of the people has been entrusted or delegated by the people to the courts through the constitution. It must never be lost sight of that the ultimate ownership of the constitution and of the organs and institutions created there under as well as of all powers of such organs and institutions rests with the people of the country who have adopted the constitution and have thereby created all the organs and institutions established under it. It may be advantageous to reproduce here the relevant words of the preamble to the constitution of the Islamic Republic of Pakistan, 1973: "We the people of Pakistan – Do hereby, through our representatives in the National Assembly, adopt, enact and give to ourselves, this Constitution." It is thus obvious that a person defying a judicial verdict in fact defies the will of the people at large and the punishment meted out to him for each recalcitrant conduct or behavior is in fact inflicted upon him not by the courts but by the people of the country themselves acting through the courts created and established by them. It may be well to remember that the constitutional balance vis-à-vis trichotomy and separation of powers between the legislature, the Judiciary and the Executive is very delicately poised and if in a given situation the executive is bent upon defying a final

نیٹو سپلائی کی بحالی قومی خودکشی کے مترادف ہوگی

قوم کے ذمہ داران کے نام ایک پیغام - ایک اپیل

وطن عزیز میں بعض عناصر امریکی ایجنڈے کو آگے بڑھانے کیلئے نیٹو سپلائی کو بحال کرنے کیلئے بے تاب ہیں لیکن ہمارے نزدیک نیٹو سپلائی کی بحالی قومی خودکشی کے مترادف ہوگی۔ اس لئے کہ اگرچہ برادر اسلامی ملک افغانستان پر حملہ آور اسلام دشمن افواج کو لاجسٹک سپورٹ دینا یا ان کے ساتھ کسی نوعیت کا تعاون کرنا دینی اور قومی اعتبار سے ایک جرم عظیم تھا جس کا ارتکاب ہم دس سال سے کر رہے ہیں' اس کے نتیجے میں ہمیں نہ صرف یہ کہ اللہ کے عذاب اور غضب کا نشانہ بن کر قومی سطح پر شدید نقصانات سے دوچار ہونا اور دنیا بھر میں ذلت و رسوائی کا سامنا کرنا پڑا بلکہ جس کی خاطر سب کچھ کیا' اس نے بھی ہمیں ذلیل و رسوا کرنے کی انتہا کر دی۔ لیکن ''امریکہ افغانستان تک سٹریٹیجک معاہدے'' کے بعد اگر اب ہم نیٹو سپلائی بحال کرتے ہیں تو گویا افغانستان میں اُس اسلحے کو اپنی سرزمین سے گزرنے دیں گے جو بالآخر پاکستان ہی کے خلاف استعمال ہوگا۔

ہم DCC میں شامل تمام سیاسی اور فوجی قیادت کو دوٹوک الفاظ میں کہنا چاہتے ہیں کہ نیٹو سپلائی کی بحالی کے نتائج انتہائی خطرناک مرتب ہوں گے۔ پاکستان کو دوسروں کی خاطر اپنی سلامتی داؤ پر نہیں لگانی چاہیے۔ ہم مسلمان ہیں۔ آیئے زمین کی سپر قوت کے شر سے بچاؤ کی خاطر کائنات کی واحد سپریم قوت یعنی اللہ رب العزت سے مدد طلب کرتے ہوئے نیٹو سپلائی کسی بھی صورت میں، کسی بھی شرط کے تحت بحال نہ کرنے کا فیصلہ کریں۔ تاریخ گواہ ہے جس کسی نے اللہ پر بھروسا کیا اور اس کا دامن تھام لیا، وہ آزمائش کے بعد بالآخر کامیاب و کامران ہوا۔ لہٰذا خدارا، امریکہ کے غلام بننے کی بجائے رب کائنات کا دامن تھامئے!

منجانب: تنظیم اسلامی پاکستان

A-67، علامہ اقبال روڈ، گڑھی شاہو، لاہور فون: 042-36316638, 36366638